تذکرہ

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ

(حضرت سید احمد شہیدؒ کے جدّ اعلی اور عہد عالمگیری کے
ممتاز شیخ اور عارف باللہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ کا تذکرہ
اور ان کے ممتاز خلفاء اور نامور فرزندوں کے حالاتِ زندگی)

مولانا محمد الحسنیؒ

سابق ایڈیٹر "البعث الإسلامي"

ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

طبع اول

ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

نام کتاب: تذکرہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ

مؤلف: مولانا محمد الحسنیؒ

صفحات: ۱۶۸

تعداد: ۱۰۰۰

طباعت: کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ

قیمت:

ملنے کے پتے

☆ مکتبۂ اسلام، گوئن ۲/۵۴، ۱۷ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ

☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں رائے بریلی

☆ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ

فہرست مضامین

باب چھارم

باب پنجم

باب ششم

باب ھفتم

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

جن کتابوں نے ابتداء ہی میں راقم سطور پر اثر ڈالا ان میں ''تذکرہ حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ'' ممتاز کتابوں میں ہے، شاید کچھ وجہ یہ بھی ہوگی کہ وہ خاندان کے بزرگ کا ذکر تھا اور کتاب کے مصنف راقم کے والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جنھوں نے بہت کم عمر پائی اور زندگی کی صرف چوالیس بہاریں دیکھیں، والد مرحوم کی وفات کے وقت راقم کی عمر ۹-۱۰ تھی، والدہ صاحبہ مرحومہ کو اس کا بڑا اہتمام تھا کہ میں والد صاحب کے ایصال ثواب کا اہتمام کیا کروں اور ان کی کتابوں کا مطالعہ رکھوں، یہی وجہ رہی ہوگی کہ میں نے بڑے شوق سے اس کتاب کا مطالعہ کیا، اور اس چھوٹی سی عمر میں اس کتاب نے بڑا اثر کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی حیات مبارکہ پر مختلف زبانوں میں خاندان کے بزرگوں نے کام کیا جن میں حضرت سید صاحبؒ کے چچا مولانا سید محمد نعمان صاحب اور حضرت مولاناؒ کے جو بزرگوار مولانا حکیم سید فخر الدین خیالی کی کتابیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں، لیکن فارسی میں ہونے کی وجہ سے ان سے استفادہ عام طور پر ممکن نہ تھا، والد صاحبؒ نے اس کو محسوس کیا اور بڑے ذوق وشوق سے سعادت سمجھ کر یہ کتاب تصنیف فرمائی اور اپنے عم محترم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمت میں پیش کی، حضرت مولاناؒ نے کتاب بہت پسند فرمائی اور اس پر بڑا مؤثر مقدمہ بھی تحریر فرمایا، مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سراپا شفقت و محبت تھی، ان کو اپنے بھائیوں سے بے حد محبت تھی، والد صاحب مرحوم ان کے ماموں زاد بھائی تھے، مگر بالکل سگے بھائیوں کی طرح تھے، انھوں نے کتاب اپنے ''مکتبۂ اسلام'' سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کی، اور اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

عرصہ سے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی ناپید تھا اور از سر نو اس کی اشاعت کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اس حقیر کے لیے یہ بات سراپا سعادت ہے کہ اس کو اشاعت کی توفیق ملی، اب نئی کمپوزنگ اور تصحیح کے ساتھ کتاب ناظرین کے سامنے ہے۔

میں ذاتی طور پر ان تمام عزیزوں اور دوستوں کا مشکور ہوں جنھوں نے کتاب کی اشاعت میں کسی بھی حیثیت سے حصہ لیا، اللہ تعالیٰ سب کو اجر عطا فرمائے، اور کتاب مقبول عام فرمائے۔

بلال عبدالحی حسنی ندوی

جمعۃ المبارک ۲ر صفر ۱۴۳۰ھ

پیش لفظ

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی، أما بعد!

ایک ایسے مبارک تذکرہ کے پیشِ لفظ لکھنے میں مجھے قلبی مسرت وسعادت کا احساس ہورہا ہے، جس کا انتساب ایک ایسی شخصیت سے ہے، جس سے نسبی، روحانی، علمی وذہنی، گوناگوں رشتے ہیں اور جس کی عقیدت ومحبت گویا گھٹی میں پڑی، اور اسی ماحول میں آنکھیں کھولیں اور ہوش سنبھالا۔

غالباً اللہ ورسول کے پاک ومبارک ناموں کے بعد جو نام سب سے پہلے کان میں پڑا، اور عزت واحترام کے ساتھ اس کا نام لیا گیا، وہ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی تھا۔ گھروں کے اندر مائیں عزت کے ساتھ ان کا نام لیتیں اور باہر بزرگ اس کا بار بار حوالہ دیتے، اور ان کے قصے سناتے، اس وقت اتنا شعور بھی نہ تھا کہ نام صحیح طور پر ادا ہوسکتا، خوب یاد ہے کہ ہم آپس میں ہمیشہ ''شاہ علیم اللہ صاحب'' کہتے اور یہ تو عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ صحیح نام علیم اللہ نہیں علم اللہ ہے، جو ہم بچوں، اور کم سواد لوگوں ہی کے لیے نہیں، خواص اور اچھے پڑھے لکھے لوگوں کے لئے بھی ہندوستان میں ایک نامانوس نام ہے، اور اب بھی اچھے پڑھے لکھے لوگ تحریروں اور پتوں میں علیم اللہ ہی لکھتے ہیں۔

بچپن میں زیادہ تر ان کے زہد، مجاہدے اور فقر وفاقہ ہی کے قصے سنے تھے، خاندانی کتابوں میں دیکھا کہ پہلے دور میں جب اس خاندان کے بچے جمع ہوتے، اور اس کا تذکرہ ہوتا کہ کس کے گھر میں کیا پکا ہے اور کس نے آج کیا کھایا، تو جس بچے کے

گھر میں فاقہ ہوتا اور ہانڈی نہ چڑھی ہوتی وہ بجائے اس کے کہ یہ کہتا کہ آج ہمارے گھر میں چولھا نہیں جلا، یہ کہتا کہ آج ہمارے گھر میں حضرت جیو (شاہ علم اللہ صاحب) مہمان ہیں، یہ ماؤں کی تعلیم کا اثر تھا، ہمارے زمانہ میں تو یہ بات نہیں رہی تھی مگر ان کی شخصیت ہمارے لئے اب بھی ایک مثالی شخصیت اور ایک محبوب ذات کی حیثیت رکھتی تھی، جب مسجد جانا شروع ہوا تو مسجد کی سیڑھیوں کے پاس جانبِ مشرق وجنوب ایک چہار دیواری دیکھی جس میں چند کچی قبریں بغیر کسی تختی، شمعدان، اور زینت و آرائش کے نظر آئیں، موسم برسات میں سبز گھاس کے سوا، اس پر کبھی کوئی چادر نہیں پڑی اور اس طرح جہاں آراء بیگم دختر شاہ جہاں کا یہ شعر بالکل حسبِ حال تھا ؎

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا   کہ قبرپوشِ غریباں ہمیں گیاہ بس است

غالباً یہ قبور ہندوستان کے مسلم الثبوت بزرگوں کی چند گنی چنی قبروں میں ہوں گی جن پر صدیوں کے عرصہ میں نہ کبھی چادر چڑھی، نہ چراغ جلا، نہ پھول چڑھے، اتباعِ سنت اور شرک و بدعات سے نفرت کا یہ اثر وفات کے بعد قائم رہنا ایک کھلی کرامت ہے ؎

یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

انھیں قبروں میں سے ایک خام اور بے نشان قبر اس ذات والا صفات کی تھی جس کا علوئے مقام، قوتِ نسبت اور ذات نبوی ﷺ سے قرب و مناسبت، مشائخ وقت اور بوریا نشین فقیروں سے لے کر اس عہد کے سب سے بڑے طاقت ور فرماں روا، صاحبِ اورنگ و سریر، شہنشاہ عالم گیر تک کو تسلیم تھی۔

ہم بچپن میں کئی کئی بار اس مقبرہ کو دیکھتے، اس کے آس پاس کھیلتے، ہم کو معلوم نہ تھا کہ اس میں کون سے اللہ کے بندے محوِ استراحت ہیں۔

جب کتابوں کے مطالعہ کی صلاحیت پیدا ہوئی تو معلوم ہوا کہ ہماری چھوٹی

سی بستی کو جس ذات سے انتساب کا فخر حاصل ہے، وہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کی ممتاز ترین شخصیتوں اور صاحبِ نسبت بزرگوں میں سے ایک ہیں، اور جہاں تک اتباعِ سنت، اور بدعات سے نفرت اور عادات و اخلاق، تمدّن و معاشرت، جذبات و اذواق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بالارادہ، اور بلا ارادہ پیروی اور تقلید کا معاملہ ہے، اس میں مشائخِ طریقت میں بھی ان کی نظیر ملنی اگر ناممکن نہیں، تو مشکل ضرور ہے اور یہ احساس صرف راقم سطور ہی کا نہیں جس کو اس ذات سے جذباتی اور خاندانی تعلق ہے بلکہ اس میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جن کی نظر ہندوستان کی دینی اور روحانی تاریخ پر، اور تراجم و تذکرے کی کتابوں پر زیادہ وسیع اور جن کا مطالعہ غیر جانب دارانہ، اور جدید اصطلاح کے مطابق معروضی ہے۔(۱)

نورِ باطنی وادراکِ صحیح رکھنے والے بزرگوں کے لئے کسی شخص کی عظمت اور اس کے مرتبہ کے معلوم کرنے کا ذریعہ صرف حالات کا مطالعہ اور تذکرے و تاریخ کی ورق گردانی نہیں، بلکہ قلب کی شہادت اور خود نورِ باطن ہوتا ہے۔ ۱۳۰۸ھ میں جب والد مرحوم مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ اویسِ زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے معمول کے مطابق پوچھا، کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ رائے بریلی کا رہنے والا ہوں، فرمایا کہ رائے بریلی میں کہاں رہتے ہو؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ تکیہ شاہ علم اللہؒ۔ یہ سُن کر آپ نے عجب انداز سے کروٹ بدل کر فرمایا کہ وہ تو بڑے بزرگ تھے۔ یہ یقین ہے کہ مولانا کو کبھی ان کے حالات سننے یا پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہوگا اور نہ اس وقت متداول تذکروں میں ان کے حالات ملتے تھے، اسی طرح اپنے زمانہ کے ممتاز صاحبِ باطن بزرگ اور داعی الی اللہ مولانا محمد الیاس صاحب ۱۹۴۳ء میں اپنی عمر میں پہلی

---

(۱) مثلاً مولانا غلام رسول مہر مصنف ''سید احمد شہید''

مرتبہ رائے بریلی آئے اور اسی تکیہ شاہ علم اللہؒ میں انھوں نے رات کو آرام فرمایا اور اس کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھی، تو بغیر کسی مطالعہ و مراقبہ کے تھوڑے ہی وقت میں ان کو حضرت شاہ صاحب کے مرتبہ و مقام کا اندازہ ہوگیا، اور انھوں نے میرے سامنے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے جو اس سفر میں ساتھ تھے، بڑے تاثر کے لہجہ میں فرمایا کہ مولوی زکریا! ہم تو سمجھتے تھے کہ سید صاحب (حضرت سید احمد شہیدؒ) ہی بہت بڑے ہیں، حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ تو بہت ہی بڑے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس عالی مرتبت شخصیت کے حالات، ملفوظات اور تحقیقات بہت کم ملتی ہیں اور جو کچھ ملتا ہے اس سے اس مرتبہ کا پہچاننا بہت مشکل ہے جس کا اعتراف ان کے نامور معاصرین نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے، اگرچہ ان کے خاندان کے اہلِ علم اور اہلِ قلم بزرگوں نے جن میں ان کے پرپوتے مولانا سید نعمان صاحب، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مسترشدین و خواص میں سے ہیں، کا نام اور کام سب سے روشن ہے۔ ان کے حالات لکھنے کا اور خاندانی روایات کے محفوظ کرنے کا اہتمام کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام دیر سے شروع ہوا، اور جو کڑیاں گم ہوچکی تھیں ان کے دستیاب ہونے کا کوئی امکان نہ تھا پھر بھی ان کی کتاب ''اعلام الہدیٰ'' اس سلسلہ کی ایک بنیادی اور اہم تاریخی دستاویز ہے۔ ان کے بعد ترتیب و تدوین کا دوسرا قدم اس خاندان کے مؤرخ مولوی حکیم سید فخر الدین صاحب خیالی نے اُٹھایا، اور ''تذکرۂ علمیہ'' کے نام سے متفرق مواد کو یکجا جمع کردیا، بعد میں ان کے خلف الرشید مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ نے اس میں مزید اضافہ اور اس کی تکمیل کی، اور اس کا نام ''تذکرۃ الابرار'' رکھا۔

اب آخر میں یہ سعادت ان کے پوتے مولوی سید محمد الحسنی سلمہ کے حصہ میں آرہی ہے، جو ان کے لئے دوگانہ سعادت اور فخر کی بات ہے کہ ایک طرف اپنے

خاندانی بزرگ، اور اپنے عہد کے ایک بلند مرتبہ شیخ و داعی کا تذکرہ لکھنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے، دوسری طرف جس کام کو ان کے جدِّ امجد نے شروع کیا تھا اس کی تکمیل کی عزت حاصل ہورہی ہے۔ مجھے اس تصنیف کا علم اس وقت ہوا جب کتاب کا بڑا حصہ لکھ چکے تھے اور اس وجہ سے مسرت ہوئی کہ یہ موروثی سعادت ان کے حصہ میں آئی اور ایک مفید کام کی توفیق ملی، انھوں نے حضرت شاہ صاحب کے تذکرے ہی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ ان کی اولاد و احفاد اور ان کے خلفائے امجاد کا تذکرہ بھی شامل کیا، اس طرح یہ کتاب ایک طرف جامع دوسری طرف عصرِ حاضر کے ذوق و اسلوب کے مطابق ہوگئی، جس سے ہم اس دورِ فتن میں جس میں نہ صرف بدعات کا دور دورہ ہے؛ بلکہ لا دینیت، وحدتِ ادیان، اور کفر و ایمان کی مساوات اور ہر قسم کے حدود و قیود و تعینات کے انکار، نیز خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ہادیٔ سبل، ختم الرسل اور امام الکل ہونے کے انکار کا رجحان ایک دعوت اور فلسفہ کی حیثیت اختیار کرتا جارہا ہے۔ ایک ایسے زمانہ میں، ایک ایسی شخصیت کی سیرت یقیناً مفید و مؤثر ہوگی جس کا اس حقیقت پر ایمان و اذعان تھا اور ساری عمر اسی کے اعلان میں مصروف رہی کہ:

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

ابوالحسن علی

۴؍جمادی الآخرۃ ۱۳۹۰ھ

پنجشنبہ: ۹؍جولائی ۱۹۷۰ء

کتاب کا مقصد

رب اشرح لی صدری، و یسر لی امری، و احلل عقدة من لسانی، یفقھوا قولی.

حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ نے ایک مرتبہ ایک دلچسپ حکایت بیان فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ چند آدمی ریل سے سفر کر رہے تھے، وقت گزاری کے لئے انھوں نے ایک دوسرے کے حالات دریافت کرنے شروع کیے، موضوع یہ تھا کہ کون کس سے بیعت ہے، سب نے کسی نہ کسی کا نام لیا، قریب ہی ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، جو گفتگو میں حصہ نہیں لے رہے تھے اور بالکل خاموش تھے، جب سب اپنے اپنے پیروں کا ذکر کر چکے تو ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ صاحب آپ اتنی دیر سے خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، آپ بھی تو بتایئے کہ آپ کا پیر کون ہے؟ ان صاحب نے بڑے اطمینان سے اپنے پیٹ سے کرتہ ہٹایا اور اس پر ہاتھ پھیر کر جواب دیا کہ میرے پیر یہ ہیں۔

ہماری موجودہ دنیا کے متعلق آج جو بھی کہا جائے اور لکھا جائے اس میں شُبہ نہیں کہ اس کا سب سے بڑا مذہب ''نفس پرستی'' اور اس کا سب سے بڑا پیر ''شکم'' ہے اور یہ ایسا بین الاقوامی پیر ہے کہ اس کا حلقۂ ارادت مشرق و مغرب اور عرب و عجم ہر جگہ پھیلا ہوا ہے اور اس کا سکہ ہر ملک میں رواں ہے، اس نے بہت سے چھوٹے چھوٹے پیروں مثلاً قومیت، آمریت، رنگ و نسل اور زبان و وطن کے پجاریوں کو اپنی بساط بچھانے اور اپنا حلقہ بنانے کی اجازت ضرور دے رکھی ہے لیکن اس شرط پر کہ سب اس کے ماتحت بن کر رہیں اور اسی سے ''کسبِ فیض'' کریں اور ہر فائدہ و آمدنی میں اس کو مقدم رکھیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی کی نظروں سے وہ معیار اوجھل ہو گئے ہیں جو اس ہمہ گیر مذہب اور اس کے سب سے بڑے پادری یا پروہت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتے تھے اور اس کے سارے اثرات (جس کو ہم اپنی نئی زبان میں معیار زندگی کی بلندی، بہتر اقتصادیات، مادی ترقی اور معاشی خوش حالی جیسے خوش نما ناموں سے تعبیر کرتے

ہیں) سے آزاد ہو کر اپنے عمل سے یہ اعلان کرتے تھے کہ انسانیت صرف اچھا کھانے، اچھا پہننے اور اچھے مکان میں رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ انسان کی ایک ایسی ضرورت ہے جس کی تکمیل قدر و شکر گزاری اور اطمینان کے ساتھ ہونی چاہیئے، بچوں کی طرح اس کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا، فاقہ زدوں کی طرح اس پر گرنا اور اس کو پا کر اپنے کو کھو دینا انسان کے جوہر عالی اور اس کی بلند استعداد کی سخت ناقدری اور توہین ہے۔

یہ انسانی معیار جو خدا کے فضل سے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ پائے جاتے تھے اس زمین میں خدا کی نشانی بن کر اور انسانوں کے جنگل میں پرچم کی طرح بلند ہو کر اس بات کی دعوت دیتے تھے کہ اپنے کو اس نفس کی غلامی اور اس شکم کی اسیری سے آزاد کرو جس کی وجہ سے خدا کی ایک مخلوق گائے بیل اور سور، کتّے کے ذلیل نام سے پکاری جاتی ہے اور جس کے سامنے صرف دو چیزیں ہوتی ہیں: اپنی خواہشات اور اپنا پیٹ۔

نفس پرستی اور شکم پرستی اور اس کے نتیجہ میں مادیت وحیوانیت کی تاریک گھٹاؤں نے جب کبھی کسی ملک اور معاشرہ یا کسی آبادی اور قبیلہ کو اپنی لپیٹ میں لیا ہے اس وقت اللہ کے مخلص ومقبول بندوں اور عالی ہمت و بلند حوصلہ انسانوں نے دنیا کے رواج و دستور، انسانوں کے قیاس و تجربہ، رائج الوقت معلومات و مسلمات اور ہوا کے رخ کے خلاف ایک ایسے طرزِ زندگی اور ایسی سطح کا نمونہ پیش کیا جس میں خزف ریزوں اور ٹھیکروں اور روپیوں اور اشرفیوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ گیا تھا، اور شاہ و گدا سب برابر ہو گئے تھے اور ان کے ساتھ جو رویہ اور برتاؤ تھا وہ صرف اللہ کے حکم، شریعت کے فیصلے اور سنتِ نبوی ﷺ کی روشنی و رہنمائی میں تھا۔

انسانیت کے ان اعلیٰ نمونوں نے (جو اس زمین کی برکت اور پوری انسانیت کی قابلِ فخر دولت ہیں) اس نفس پرستی اور شکم کی بالا دستی اور حکمرانی پر ہمیشہ سخت ضرب لگائی اور یہ بتایا کہ کام و دہن کی لذت اور خواہشاتِ نفس کی تکمیل سے بڑھ کر ایک اور لذت ہے، جس کا مزہ چکھنے کے بعد آدمی ان حقیر اور فانی لذتوں کی طرف مڑ کر دیکھنا بھی نہیں چاہتا، البتہ اس کا مزہ چکھنے سے پہلے کچھ قربانی، ایثار اور صبر

کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ (م:۱۰۹۶ھ) کی زندگی سے (جن کا تذکرہ اس کتاب کا موضوع ہے) ہمیں پہلا سبق یہی ملتا ہے اور یہ وہ سبق ہے جس کو اس دورِ ہوس اور دورِ شکم میں پوری بلند آہنگی کے ساتھ اور بار بار دہرانے کی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ شاہ صاحبؒ کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت اور گویا ان کی سیرت کا عنوان' اتباعِ سنت بلکہ سنت سے عشق ہے، بدعت کی ہر قسم بلکہ اس کا سایہ بھی ان کے لئے نا قابلِ برداشت تھا اور ایک چھوٹی سی چھوٹی سنت ان کے نزدیک بڑی بڑی ریاضتوں اور مجاہدوں سے کہیں افضل تھی، سنت کا شوق اور اہتمام بچپن سے ان کے خمیر میں تھا اور شاید ہی کوئی وقت ایسا گزرتا ہو کہ کوئی سنت ان سے ترک ہو جاتی ہو، یہاں تک کہ وہ لوگ جن پر ان کا کچھ سایہ پڑ گیا سنت کے دلدادہ ہو گئے اور ان کے رنگ میں رنگ گئے، اور جہاں گئے اور جہاں رہے اسی رنگ پر قائم رہے، ان کی سیرت کے مطالعہ سے ہمارے دل میں سنت کی محبت اور عظمت بڑھتی ہے اور یقین پیدا ہوتا ہے کہ پیروئ سنت سے بڑھ کر دنیا میں اور کوئی دولت نہیں اور ایک چھوٹی سی چھوٹی سنت سے جو برکت اور ترقی حاصل ہوتی ہے وہ بڑے بڑے مجاہدوں، ریاضتوں اور قربانیوں سے بھی ہاتھ نہیں آتی، ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگزارند و خم طرۂ یارے گیرند

اس لئے ہماری بڑی بدنصیبی ہوگی اگر ہم اس آسان نبوی راستہ کو چھوڑ کر اس سے غفلت برت کر اپنی پسند اور اپنے ذوق سے دوسرے راستوں اور دوسرے طریقوں پر اپنی اصل قوت اور اصل توجہ مرکوز کر دیں اور پیروئ سنت کا حصہ ہماری زندگی میں کم سے کم ہو، موجودہ دور میں سنت کا اہتمام (خاص دینی حلقوں میں بھی) جتنا کم ہو چکا ہے اور برابر کم ہو رہا ہے اور بدعات کا جتنا رواج ہے، اس کے پیشِ نظر ایسی چیزوں کی اشاعت یا ایسی کوئی کوشش جس سے لوگوں کے دلوں میں اتباعِ سنت کا شوق اور بدعت

کی نفرت پیدا ہو، فائدے سے خالی نہیں۔

کتاب کا تیسرا مقصد یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے کیسی عظیم اور عجیب وغریب صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور کیسے کیسے مقامات اور درجات اس کی زد اور دسترس میں ہیں، اور اگر خدا کی توفیق شامل حال ہو اور وہ ایک دفعہ ہمت کر کے نفس کی بندش یا کششِ ثقل سے آزاد ہو جائے تو کیسے کیسے عالم، کیسی کیسی لذتیں بلکہ کیسی کیسی جنتیں اس دنیا ہی میں اس کی منتظر ہیں: لَھُمُ الْبُشْرَیٰ فِی الْحَیَاۃِ الدُّنْیَا وَ فِی الآخِرَۃِ (ان کے لیے دنیا میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک عارف اور حقیقت شناس نے فرمایا تھا: "لو علم الملوك ما نحن فيه لقاتلونا بالسيوف" (اگر بادشاہوں کو خبر لگ جائے کہ ہم کس مزے میں ہیں تو (رشک وحسد سے) تلواریں لے کر ہمارے مقابلہ پر آ جائیں)۔ اور اس میں ادنیٰ تعجب و مبالغہ کی بات نہیں، جب صرف مادی وسائل کو ترقی دے کر آدمی ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑ سکتا ہے اور پانی میں مچھلیوں کی طرح تیر سکتا ہے اور ستاروں پر کمند ڈال سکتا ہے اور جب ایک انسان محض اپنے جسم کو ترقی دے کر مشق و ریاضت بہم پہنچا کر اور خود اعتمادی اور خود شناسی کے ذریعہ جسمانی شعبہ میں حیرت انگیز کمالات دکھا سکتا ہے اور ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے تو کیا یہ انسان اپنے دل اور روح کی صلاحیتوں اور مخفی طاقتوں کو بروئے کار لا کر ان مقامات تک نہیں پہنچ سکتا جن کے سامنے یہ سارے دنیاوی کمالات اور مادی ترقیات وعجائب بچوں کے کھیل یا مٹی کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

حضرت سید علم اللہؒ کی سیرت سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا شناسی وخود شناسی کی بدولت ایک ظلوم و عاصی انسان کہاں سے کہاں پہنچتا ہے، کس طرح مٹی سے سونا بنتا ہے، ذرہ سے آفتاب بنتا ہے، کس طرح اس دنیا میں رہ کر دنیا سے بے نیاز ہوتا ہے، کس طرح اس دنیا میں جنت کے مزے لوٹتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنے دل پر خدا کی ''نظر کرم'' دیکھتا ہے اور اس کے انعامات، نوازشوں، بشارتوں اور خوش خبریوں

سے خوش اور سرفراز ہوتا ہے ؎

جو ہم دل پر اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بہ از جامِ جم دیکھتے ہیں

کس طرح اس کی مخلوق کے لئے فیض وسخاوت کا سمندر بن جاتا ہے اور کس طرح اس کے انوار و برکات سے آشنا و بیگانہ، دوست و دشمن اور قریب و بعید اپنی اپنی استعداد اور ظرف اور توفیق الٰہی کے بقدر مستفید ہوتے ہیں، اس کی ذات خلائق کے لئے مرکز و مرجع بن جاتی ہے اور اس کے اثرات زمانہ اور مسافت کے پردوں کو چیرتے ہوئے آنے والی نسلوں تک پہنچتے ہیں۔

کس طرح اس کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹلتی ہیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں اور اس کا وجود رحمت وسکینت کی چادر بن کر پورے ماحول پر محیط ہوجاتا ہے، کس طرح اس کی محبت انسانوں کے دل میں ڈال دی جاتی ہے، اور وہ کشاں کشاں اور افتاں و خیزاں اس کے پاس پہنچتے ہیں اور دیوانہ وار و بےقرار ہوکر اس کا ہاتھ تھامتے ہیں اور اس کے پیچھے چلنا اپنی سعادت جانتے ہیں اور اس کی ہر جنبش لب اور ہر نگاہِ غلط انداز کو باعثِ افتخار اور سرمایۂ امتیاز سمجھتے ہیں اور زبانِ حال سے گویا ہوتے ہیں ؎

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

کس طرح وہ چھپنا چاہتا ہے اور چھپ نہیں سکتا، دنیا سے منھ موڑتا ہے اور دنیا اس کے قدموں پر گرتی ہے، امراء و بادشاہوں سے دور رہنا چاہتا ہے اور وہ اس کی تلاش میں پیچھے پیچھے گھومتے ہیں، کس طرح وہ خویش و اقارب اور خاندان وقبیلہ کے حدود کو پار کرکے پوری انسانیت کا سرمایہ، زمین کی زینت اور دنیا والوں کے لئے برکت بن جاتا ہے۔

سید شاہ علم اللہؒ کی زندگی کے مطالعہ سے انسان میں وہ جوہر خوابیدہ اور وہ مبارک خلش بیدار ہونے لگتی ہے جو خدا نے ہر انسان میں ودیعت کی ہے، اس کے اندر

خدا طلبی اور خود شناسی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی ہمت بندھتی ہے اور امید بڑھتی ہے، اس میں یہ شوق پیدا ہوتا ہے کہ وہ بھی اس راستہ پر چل کر ان مقامات تک پہنچے اور وہ مرتبہ حاصل کرے جو اگر پوری عمر اور پوری دنیا بیچ کر بھی مل جائے تو بہت ارزاں ہے بلکہ محض توفیق الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہے ؂

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
ایک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اس پست ہمتی، تن آسانی، عافیت طلبی اور نیک کاموں میں قناعت پسندی کے دور میں اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ تمام انسانوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے سامنے ایسی عملی مثالیں پیش کی جائیں جن سے ان میں اولوالعزمی، حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کے اوصاف پیدا ہوں اور وہ یہ سمجھیں کہ وہ کتنی بڑی دولت کی ناقدری کر رہے ہیں، اور کیسے کیسے خزانوں اور طاقت کے سرچشموں کو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے بیٹھے اور خدا کے لافانی خزانوں، اس کے لازوال انعامات اور سب سے بڑھ کر اس کی نظرِ کرم اور نظرِ محبت کے مقابلہ میں کیسے فانی، عارضی، زودرنج، بے مروت، بے وفا اور طوطا چشم آسروں کا سہارا لئے ہوئے ہیں اور کائنات کی کتنی حقیر اور چھوٹی کسر پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔

اس کتاب کا ایک ذاتی اور جذباتی محرک بھی ہے، حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ سادات کے اس خانوادہ میں جس سے راقمِ سطور کا نسبی تعلق ہے اور جس کی تفصیل آگے ملے گی، جو بلند مقام رکھتے ہیں اور خاندان کے اکابر کے دل میں ان کی جو عظمت اور محبت نقش ہے، پھر ان کی دل آویز اور طاقت ور شخصیت ان کی پیروئ سنت اور شانِ عزیمت ان کے اوصاف وکمالات اور پر اثر اور سحر انگیز حالات وواقعات نے

---

(۱) ''مہر جہاں تاب'' دراصل ہندوستان کی علمی وادبی تاریخ اور یہاں کی باکمال ہستیوں کا دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا ہے، اسی کے ساتھ اس میں عالمِ اسلام کے مشاہیر اور علوم وفنون کی تاریخ پر قیمتی مواد موجود ہے۔ پوری کتاب فارسی میں ہے اور غیر مطبوعہ ہے اس کی دو جلدیں فل اسکیپ سائز کے پندرہ سو صفحات پر مکمل ہوئی ہیں

اس خاندانی وخونی رشتہ کے ساتھ مل کر ان کو دینی زندگی اور روحانی ترقی کا ایک رمز یا نشان بنادیا (علم اللہ کے معنی بھی یہی ہیں یعنی خدا کا نشان یا پرچم) اور خاندان کے اہل فکر واہل دل برابر ان کے واقعات لکھتے اور سنتے سناتے رہے۔

خوش قسمتی سے خاندان کی جس شاخ سے راقم سطور کا تعلق ہے یعنی مولانا حکیم سید عبدالحیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء ومصنف نزہۃ الخواطر کی شاخ، اس کے بزرگوں نے ان کے حالات وواقعات کو یک جا کرنے ' ان کو مکمل کرنے اور ان میں اضافہ کرنے کا کام بہت ذوق وشوق اور علمی وتاریخی خصوصیات کے ساتھ برقرار رکھا۔ ان کی سیرت کا سب سے معتبر اور مستند ماخذ ''اعلام الہدیٰ'' ہے جو خود ان کے پوتے اور عالم ربانی مولانا محمد نعمانؒ نے (جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے چچا اور شاہ ولی اللہ کے مخصوص رجال میں ہیں) تصنیف کی، لیکن وہ اپنی زندگی میں اس کی تکمیل نہ کرسکے، ہندوستان کے مایۂ ناز مؤرخ مولانا حکیم سید فخر الدینؒ (م: ۱۳۶۲ھ) مؤلف ''مہر جہاں تاب''(۱) نے ''سیرتِ علمیہ'' کے نام سے اس کی تبییض وترتیبِ جدید اپنی سعادت سمجھی اور اس میں مزید اضافے کیئے۔ ان کے نامور فرزند مولانا حکیم سید عبدالحیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء نے اس کی مزید تنقیح کی اور ''تذکرۃ الابرار'' اسکا نام رکھا۔ میرے نانا مولانا سید ابوالقاسم ہسوی نے بھی اس کارِ خیر میں حصہ لیا اور اپنی کتاب ''برکاتِ احمدیہ'' میں شاہ صاحب اور ان کے فرزندوں کا تذکرہ کیا۔

والد ماجد ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبد العلی حسنیؒ ناظم ندوۃ العلماء نے بھی ''بحرزخار'' سے ان حصوں کا انتخاب کیا جو حضرت شاہ صاحب سے متعلق تھے، اور ان ہی علمی نوادر اور بیش قیمت یادگاروں کی ہر قیمت حفاظت کی، نیز بڑے ذوق وشوق کے ساتھ شاہ صاحب کے ایک رسالہ ''عطیات'' کی طباعت واشاعت کا اہتمام کیا۔ عمِ مخدوم ومعظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے سیرت سید احمد شہید کے شروع میں شاہ صاحب کے خاندان اور ان کے باکمال فرزندوں کے حالات وواقعات قلمبند کیئے، یہ اردو میں پہلی اور منتخب چیز تھی جو ہمارے سامنے آئی۔

رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ میں مجھے ''تذکرۃ الابرار'' اور ''سیرتِ علمیہ'' بالاستیعاب دیکھنے کا موقعہ ملا اور شاہ علم اللہ کے پُراثر واقعات وحالات نے دل پر عجب اثر کیا اور مطالعہ کے وہ لمحات بڑے اچھے گذرے، ع

چند لمحے یاد کے تاباں، درخشاں، جاوداں

مولانا حکیم سید فخر الدینؒ کے الفاظ جو انھوں نے ''سیرتِ علمیہ'' کے آغاز میں لکھے راقمِ سطور کے لئے مہمیز بن گئے اور انھوں نے آتشِ شوق کو اور بھڑکا دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

''از مدت دیرینہ آرزوئے دلی وتمنائے قلبی ایں نابود ہستی نما ایں بود کہ سیرتِ حضرت قدوۂ علمائے راسخین زبدۃ اولیائے کاملین مولانا ومولی الاکابر مولانا سید علم اللہ الحسنی الحسینی القطبی قدس سرہ الاقدس بضبط تحریر آرد تا ذکرِ ایں چنیں باعثِ نزول رحمتِ خداوندی وموجب بصیرت وخبرت اخلاف آں ممدوح الاوصاف گرد، ناگاہ مسودہ ''اعلام الہدیٰ'' مصنفۂ جناب فضیلت مآب کمالات انتساب گنجینۂ علم وعرفان مولانا سید محمد نعمانؒ نبیرۂ جناب ممدوح از نظر گذشت۔ فقیر کہ ہم از بدنام کنندہ نکونامان ایں دومان عالی شان است، آں را غنیمت باردہ شمردہ در حدود ۱۳۱۷ھ بہ تبییض وترتیش پرداخت وحسب موقع ومحل اختصار و اضافہ نمود۔''

اس لحاظ سے راقم سطور کے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہوگی اگر اس تذکرہ کی تکمیل اس کے حصہ میں آئے اور اس کے آباء واجداد کی یہ امانت تاریخ میں اپنی جائز اور صحیح جگہ پائے۔

اس سے بڑھ کر لالچ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعات وحالات اور ارشادات وملفوظات کسی کے دل پر اثر کریں اور کسی کی ہدایت وتغیرِ حال کا ذریعہ بن

جائیں اوراس ذریعہ سے اس کم سواد و بے بضاعت کے لئے بھی اس کے دل سے کبھی کوئی دعا نکل جائے اور بارگاہِ خداوندی میں قبول ہو جائے ؎

غرض نقشے است کز ما یاد ماند   کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے ز رحمت   کند بر حالِ ایں مسکیں دعائے

راقم سطور برادرِ معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی مدیر ''رضوان'' کا شکر گذار ہے جن کے قیمتی مشوروں اور تاریخی تحقیقات سے سنین وغیرہ کی تصحیح میں بہت مدد ملی، اور جو اس موضوع پر ایک عرصہ سے کام کر رہے ہیں، اور اس خانوادہ کی مفصل علمی و دینی تاریخ پر ایک مستقل کتاب ان کے زیرِ ترتیب ہے۔

برادرِ عزیز سید محمد سالم الحسینی بھی اس شکریہ کے مستحق ہیں جن سے مختلف مواقع پر بہت مدد ملی، کام کی رفتار بڑھی اور تصحیح و مقابلہ کے کام میں بڑی سہولت ہوئی۔

عمِ مخدوم و معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی ذات اس شکریہ سے مستغنی ہے کہ ساری کتاب ان ہی کی ہمت افزائی اور رہنمائی کا نتیجہ ہے، اور ان کا بیش قیمت مقدمہ کتاب کی زینت اور نو آموز مصنف کے لئے باعثِ افتخار اور سرمایۂ سعادت ہے۔

محمد الحسنی

۳۷- گوئن روڈ، لکھنؤ   جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اول

شاہ علم اللہ صاحبؒ کا خاندان اور اس کی اہم شخصیتیں

حضرت سید شاہ علم اللہؒ سادات کی اس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جن کو ''حسنی حسینی'' کہا جاتا ہے، ان کا سلسلۂ نسب سید حسن مثنی فرزند حضرت حسنؓ تک پہنچتا ہے جن کی شادی حضرت حسینؓ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ صغری سے ہوئی، ان کے فرزند سید عبد اللہ المحض تھے، اس طرح خاندان کی اس شاخ میں جو سید عبد اللہ المحض سے چلی، حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ دونوں کی نجابت شامل ہوگئی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کے اثرات تاریخ کے عظیم تغیرات، زمانہ کے انقلابات اور ہزاروں میل کے فاصلوں اور اتنی نسلیں گزرنے کے باوجود بھی ظاہر ہوتے رہے، اور ترویجِ شریعت، پیروئ سنت، زہد و تقوی، علم و فضل اور سنان و قلم ہر شعبہ میں ایسی اولو العزم اور بلند قامت شخصیتیں پیدا ہوئیں جن سے سنت و شریعت، جہاد و قربانی اور زہد و تقوی کی شمع برابر روشن رہی، انھوں نے بدعت و عجمیت، فلسفہ زدہ تصوف اور دوسرے بیرونی و اندرونی اثرات سے آزاد اور بالاتر ہو کر ہمیشہ اس طرزِ زندگی کا مظاہرہ کیا جسے اسوۂ نبوی سے بہت قریب اور صحابہ کرام کی زندگی سے قریب تر کہا جاسکتا ہے۔

سلسلۂ نسب

حضرت سید شاہ علم اللہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

حضرت سید شاہ علم اللہ الحسنی الحسینی النقطی بن سید محمد فضیل بن سید محمد معظم بن قاضی سید احمد بن قاضی سید محمود بن سید علاء الدین بن سید قطب الدین محمد ثانی بن سید صدر الدین ثانی بن سید زین الدین بن سید احمد بن سید علی بن سید قیام الدین بن سید

صدر الدین بن قاضی سید رکن الدین بن امیر سید نظام الدین بن سید السادات امیر کبیر قطب الدین محمد الحسنی الحسینی المدنی بن سید رشید الدین احمد المدنی ثم الغزنوی بن سید یوسف بن سید عیسیٰ بن سید حسن بن سید حسین المکنی بابی الحسن بن سید جعفر بن سید قاسم بن سید ابی محمد عبداللہ بن سید حسن الاعور الجواد بن سید محمد الاصغر بن سید ابی محمد عبداللہ الاشتر الکابلی الشہید بن سید ابی القاسم محمد ذی النفس الزکیہ بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن المثنیٰ بن سیدنا حسن السبط الاکبر بن سیدنا ابی الحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

اس سلسلہ میں سید عبداللہ المحض، سید محمد النفس الزکیہ اور سید عبداللہ الاشتر الکابلی کا تذکرہ تاریخ وانساب کی تمام اہم کتابوں میں موجود ہے اور ان کے تعارف کی یہاں کوئی ضرورت نہیں، سید عبداللہ الاشتر کے دو بیٹے تھے، محمد الاصغر اور سید حسن (۱)، سید حسن کے کوئی اولاد نہ ہوئی، سید محمد الاصغر کے پانچ بیٹے تھے، حسن بن محمد، محمد، علی، ابراہیم، طاہر۔ لیکن تمام مؤرخین کا اجماع ہے کہ ان کی نسل صرف حسن بن محمد الجواد سے چلی۔

سید حسن بن محمد الجواد کوفہ کے نقیب بھی تھے، ان کا شمار اس وقت اہلِ بیت و بنی ہاشم کے اکابر میں تھا، جود وسخا اور مہمان نوازی کی وجہ سے ان کا لقب جواد (یعنی سخی) پڑ گیا تھا، نقابت اشراف اور سادات کی سربراہی کا منصب عرصہ تک ان کی اولاد میں یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا۔

سید حسن بن محمد الجواد کے پانچ بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام ابو محمد عبداللہ تھا، سید ابو محمد عبداللہ کی اولاد ایک عرصہ تک مدینہ طیبہ میں مقیم رہی، پھر وہاں سے بالترتیب بغداد، غزنی اور اس کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں مثلاً کڑا مانکپور، نصیر آباد، رائے بریلی اور اس کے بعد دوسرے حصوں میں پھیل گئی۔

---

(۱) تذکرۃ السادات میں عمدۃ الانساب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سید عبداللہ الاشتر الکابلی کے چار فرزند تھے، لیکن یہ بات درست نہیں۔ حسن الاعور جن کو صاحب عمدۃ الانساب نے ان کے فرزندوں میں شمار کیا ہے، دراصل ان کے پوتے اور سید محمد الاصغر کے بیٹے ہیں۔

امیر کبیر سید قطب الدین محمد مدنی اور ان کا خاندان

امیر کبیر سید قطب الدین محمد الحسنی نے (جیسا کہ تاریخ وانساب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے) ۶۰۷ھ میں مدینہ طیبہ میں ایک خواب دیکھا اور اس میں ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جہاد کے لئے ہندوستان جانے کا حکم اور فتح کی بشارت ہوئی۔

مصنف ''بحرِ زخار'' نے شاہ غلام حسن (جانشین حضرت شاہ حسام الحق مانکپوری) کے حوالے سے ان کی آمد ہندوستان کا پس منظر یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ کا کڑا میں گزر ہوا، انھوں نے گنگا میں غسل کیا، راجہ جے چند کو جو وہاں کا ظالم اور دشمنِ اسلام حکمراں تھا یہ بات ناگوار ہوئی اور اس نے ان بزرگ کی انگلی سزا کے طور پر شہید کروادی، یہ بزرگ یہاں سے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور وہاں روضۂ نبوی کے سامنے جا کر فریاد اور شکایت کی، جواب ملا وہاں اسلام کی اشاعت میرے فرزند قطب الدین پر منحصر ہے، سید قطب الدین اسی اشارہ پر کڑہ تشریف لائے۔(۱)

''تذکرۃ الابرار'' میں ہے کہ سید قطب الدین کو کڑہ (ضلع الہ آباد) بہت پسند آیا اور وہیں اقامت کا قصد کر لیا اور ارادہ کیا کہ کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر یادِ حق میں مشغول ہوں، لیکن وہاں کے باشندوں نے ان کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، آخر کار بادلِ ناخواستہ خشکی کے راستہ سے وطنِ مالوف (مدینہ منورہ) روانہ ہوئے اور مسجدِ نبوی کی زیارت کی، ایک ہفتہ بھی نہ گزرا ہوگا کہ خواب میں حضور ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے اور اشارہ ہوا کہ پہلے سلطان غزنی کے پاس جائیں اس کے بعد ہندوستان روانہ ہوں۔

امیر سید قطب الدین محمد الحسنی کے علو نسب اور علو مرتبت پر تمام مؤرخین کا اجماع ہے اور سب نے بہت بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، حضرت سید علی ہمدانی

---

(۱) منتخب بحرِ زخار

صاحب ''عمدۃ المطالب''، شیخ احمد اکبر آبادی صاحب ''تذکرۃ السادات''، سید حامد بخاری سندی اور صاحبِ ''منبع الانساب''، اور صاحبِ ''بحر الانساب'' نے اس کی توثیق کی ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ ''صحت نسب قطب العارفین رئیس الواصلین سید قطب الدین محمد الحسنی الحسینی از تواریخ انساب بتواتر پیوستہ۔''(۱)

ہم ''تاریخِ فیروز شاہی'' سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ان کے اور ان کے بعض معاصرین کے مرتبہ کا اندازہ ہوگا اور معلوم ہوگا کہ اس عہد میں ان کی کیا حیثیت تھی اور علماء و مؤرخین ان کو کس نظر سے دیکھتے تھے:

''منکہ مؤلفِ تاریخِ فیروز شاہیم از ثقات معمر شنیدہ ام در عصر بلبن چند بزرگ از بقایا بزرگان شمسی ماندہ بود و چند ملک از نوادرِ ملوک و اعوان و انصار او پیدا آمدہ کہ عہد عصر سلطان بلبن از اں بزرگاں و از اں ملوک آراستہ شدہ بود و اعتبار تمام گرفتہ۔''

(خاکسار مؤلف تاریخ فیروز شاہی نے معتبر و معمر بزرگوں سے سنا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں چند ہستیاں جو شمس الدین التمش کے مبارک عہد کی یادگار تھیں، باقی رہ گئی تھیں۔ اور اس دور کے چند ملوک و امراء و اعوان سلطنت بھی موجود تھے، یہ بزرگ ہستیاں اور یہ ملوک و امراء سلطان بلبن کے عہد کے لئے باعثِ زینت اور باعثِ فخر تھے۔)

''چنانکہ از سادات بزرگ تر بزرگاں امت اند، قطب الدین شیخ الاسلام شہر جد بزرگوار قاضیاں بداؤں و سید منتخب الدین و سید جلال الدین پسر سید مبارک و سید عزیز الدین و سید معین الدین سامانہ و سادات گردیز جدان سید چھجو و سادات عظام کیتھل و

(۱) سیرت سید احمد شہید؛ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی؛ بحوالہ تذکرۃ السادات۔

سادات جنجیر وسادات بیانہ وسادات بداؤں و چندیں سادات دیگر کہ از حادثہ چنگیز خاں ملعون دریں دیار آمدہ بودند و ہر یکے در صحت نسب و بزرگی عدیم المثال بودند و بکمال تقوی و تدین آراستہ بر ینہمہ برصدر حیات بودند۔“

(چنانچہ سادات میں سے کہ بزرگانِ امت کے سرتاج ہیں، دارالسلطنت دہلی کے شیخ الاسلام قطب الدین جو بدایوں کے قاضیوں کے جد بزرگوار ہیں اور سید منتخب الدین، سید جلال الدین (فرزندِ سید مبارک) سید عزیز الدین وسید معین الدین (سامانہ) نیز گردیزی سادات (جو سید چھجو کے اجداد ہیں) اسی طرح کیتھل کے ساداتِ عظام وساداتِ جنجر وساداتِ بیانہ وسادات بدایوں اور دوسرے متعدد سادات کرام جو چنگیز خان ملعون کے حادثہ کی وجہ سے اس ملک میں تشریف لائے تھے، ان میں سے ہر ایک صحیح النسبی اور عالی حسبی میں بے نظیر اور کمالِ تقوی وتدین سے آراستہ رونق بخش وجود تھا۔)

سید قطب الدین محمد الحسنی کے تینوں فرزند اپنے اپنے وقت میں اجلۂ علماء و مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے اور ان میں سے ہر ایک ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت میں اپنے نامور والد کا حقیقی جانشین اور علماء ومشائخ اور علم نواز سلاطین دونوں میں مقبول ومحبوب تھا۔

امیر سید نظام الدین

امیر سید نظام الدین کا ذکر اوپر بار بار گزرا ہے۔ وہ تمام معرکوں میں اپنے والد کے دوش بدوش بلکہ پیش پیش رہے، اور ان کے بعد کڑے میں ان کے جانشین ہوئے۔ حضرت شاہ علم اللہؒ ان ہی کی اولاد میں ہیں، ان کی نسل میں جتنے اولیاء وعلماء

پیدا ہوئے، اس کی نظیر ہندوستان میں کسی دوسرے خاندان میں مشکل سے ملے گی۔
مصنف ''تذکرۃ الابرار'' نے صحیح لکھا ہے کہ:

از اعقابِ او چندے علماء و مشائخ برخواستند کہ در خانوادہائے
دیگر معلوم نیست۔''

امیر سید قوام الدین

امیر سید قطب الدین کے دوسرے بیٹے امیر سید قوام الدین (م: ۷۱۰ھ)
شمس الدین التمش کے عہد میں ایک ممتاز و نامور شیخ تھے، اپنے والد ماجد کی فتوحات
کے بعد انھوں نے دہلی کو اپنا مستقر بنایا اور مسند ارشاد و سلوک آراستہ ہوئی،
''تذکرۃ الابرار'' کے الفاظ ہیں:

''سید ممدوح علامۂ وقت بود، خلقے از ہدایت و ارشادِ او مستفید بودند۔''

سیرت السادات میں ظہورِ قطبی کے حوالے سے ان کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

”و السید قوام الدین ابنه الأوسط الذی أقام فی دهلی،
إمام عالم متدین، قطب السادات فی وقته الخ.“

(ان کے منجھلے بیٹے قوام الدین تھے، جو دہلی میں مقیم تھے، یہ امام،
عالم صالح و متقی اور اپنے عہد میں سادات کے سردار تھے الخ۔)

سید علاء الدین شکر برس جیوری (جو خود ایک بڑے شیخ اور صاحبِ حلقہ عالم
تھے) ان کے خلیفہ تھے۔

سید قوام الدین اپنے والد کی زندگی تک اکثر ان کی ملاقات و دیدار کے لئے
کڑا آتے رہے، لیکن ان کا زیادہ تر قیام دہلی میں رہا۔

حضرت سید شمس الدین خواجگی کی نادر قلمی تصنیف ''مراد مرید'' میں ہے کہ
امیر سید قوام الدین خود اپنے والد امیر سید قطب الدین کڑوی سے بیعت تھے۔ تاریخِ

پیدائش ۶۷۲ھ اور تاریخِ وفات ۷۱۰ھ ہے۔

امیر سید تاج الدین

امیر سید تاج الدین کا شمار اس عہد کی ان بابرکت اور گراں قدر ہستیوں میں تھا جو غیاث الدین بلبن کے عہد کے لئے سرمایۂ افتخار کہی جاسکتی ہیں، شرافت ونجابت اور علوِ نسب کے ساتھ ان کے جوہر ذاتی، علو استعداد اور ظاہری وباطنی کمالات نے ان کو اس عہد کے علماء واعیان اور صوفیہ ومشائخ میں ایک نئی شان اور نیا حسن عطا کیا تھا، اور اس میں اوصاف نبوی اور کمالات مصطفوی کی جھلک اہلِ بصیرت کو صاف نظر آتی تھی۔

ان کے تذکرہ میں ہم قاضی ضیاء الدین برنی کے ان چشم دید تأثرات پر اکتفا کریں گے جو انھوں نے ''تاریخ فیروز شاہی'' میں درج کیے ہیں:

''ویکے از سادات عظام کہ ایں دیار بوجود ہمایوں او معظم ومکرم بود سید السادات سید تاج الدین پسر شیخ الاسلام سید قطب الدین بودہ است، سید تاج الدین مذکور پدر سید قطب الدین وجد اعز الدین از قاضیان بداؤں بودند وسالہا قضاء اودھ حوالتِ او بود، سلطان علاء الدین اورا از اودھ معزول کردہ وقضائے بداؤں داد۔''(۱)

(ان سادات میں سے ایک بزرگ جن کے وجود مبارک سے اس ملک کو عزت وافتخار حاصل تھا سید السادات سید تاج الدین فرزند شیخ الاسلام سید قطب الدین تھے، سید تاج الدین موصوف سید قطب الدین کے والد نامدار سید اعز الدین کے جد بزرگوار بدایوں کے قاضیوں میں سے تھے، اور برسہا برس اودھ کا منصبِ قضا ان کے سپرد رہا، سلطان علاء الدین نے اس سے سبکدوش کر

---

(۱) تاریخ فیروز شاہی، ص/ ۳۴۸-۳۴۹، عہد سلطان علاء الدین خلجی مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۲ء

کے بدایوں کا قاضی مقرر کیا۔)

”سید تاج الدین علیہ الرحمۃ والغفر ان بزرگوار سیدے بودہ است و چندیں صالحان و خدا طلبان مصطفےٰ را علیہ الصلوٰۃ والسلام بر صورت او خواب دیدہ بودند و تمثل او بمصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) برہان قاطع در صحت نسب او و مکارم اخلاق و محاسن اوصاف سید قطب الدین پسر و نبیسۂ آں بزرگوار مشاہدہ معاصران عصر است، و ہر یکے از سادات مذکور بزرگی علم و حلم و سخاوت و سائر فضائل نظیر خود ندارند۔“

(سید تاج الدین علیہ الرحمہ بڑے جلیل القدر سید تھے، متعدد بزرگوں اور طالبانِ خدا نے آنحضرت ﷺ کو سید تاج الدین کی صورت میں خواب میں دیکھا۔ آنحضرت ﷺ کا ان کی شکل میں نظر آنا ان کی صحت نسب کے لئے دلیلِ قطعی ہے، آپ کے معاصرین کے چشم دید واقعات تھے، ان سادات کرام میں سے ہر بزرگ بزرگی، علم و حلم، سخاوت اور دوسرے فضائل میں بے نظیر تھا۔)

سید رکن الدین

قاضی سید رکن الدین امیر سید نظام الدین کے فرزند رشید اور ایک جلیل القدر شیخ اور عالم و فقیہ تھے۔ یہ وہی ہیں جن کے متعلق سید نظام الدین کے انتقال کا ذکر کرتے ہوئے امیر سید قطب الدین محمد الحسنی نے حسبِ ذیل دعائیہ کلمات لکھے تھے:

”...... برحمت خدا شتافت و از خود فرزند ارجمند گزاشت کہ انشاء اللہ در نسل وے و رفیقانیکہ در ایں امر اسلام جان سپاریہا کردند تا قیامِ قیامت و بعث و نشر خلل و زلل نخواہد شد۔“

اپنی جلالتِ شان، علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں وہ بہت ممتاز حیثیت کے مالک تھے، قاضی ضیاء الدین برنی نے ان کے معارف و کمالات کا ذکر اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے اور ان کی بہت تعریف کی ہے۔

اپنے عم نامدار سید تاج الدین کے بعد وہ بدایوں میں ان کی جگہ منصبِ قضا پر فائز ہوئے، ان کے متعلق "تذکرۃ الابرار" میں خواجہ کڑک مجذوب (۱) کا ایک عجب واقعہ منقول ہے بالکل یہی واقعہ حضرت سید شاہ علم اللہ حسنی کے ساتھ اپنے وقت میں پیش آیا جس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

خواجہ مجذوب برہنہ رہتے تھے، لیکن جیسے ہی قاضی رکن الدین پر نظر پڑتی تو جو کپڑا ملتا اس کو اوڑھ لیتے اور کہتے یہی ایک مرد ہے جس سے میری نظروں کو حجاب آتا ہے، وہ جب قاضی سید رکن الدین سے ملتے تو ان سے کہتے:

"تو سردار ہستی و اولادِ تو ہم سردار بوند و فرزندانِ تو فرزندانِ من هستند، ہر کہ ایشاں را ایذا خواہد رسانید بحق او بہتر نخواہد بود (۲)

---

(۱) خواجہ کڑک ابدال، مجذوب اور صاحبِ دل اور صاحبِ حال بزرگ تھے، تذکرۃ السادات وظہورِ قطبی میں ہے کہ امیر سید قطب الدین نے ان کو اپنے پوتے سید رکن الدین کے قاضی کڑا ہونے اور ان کی خدمت میں آنے کی اطلاع دی تھی، دوسری طرف قاضی سید رکن الدین سے کہا تھا کہ وہ ان کے وجود کو غنیمت جانیں اور حال وجذب کی کیفیات کے باوجود ان سے ربط قائم رکھیں، جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو گھر سے مسجد تشریف لائے، آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں، بلند آواز سے یہ آیت پڑھی: ﴿إذا جاء أجلهم لا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون﴾، اس کے بعد فرمایا: "امروز روزے است کہ کڑک را از شما دور می برند و جدا می سازند باید کہ محبت قدیم را فراموش نکنید۔" اس کے بعد سورۂ اخلاص پڑھی، چہرے پر زردی سی پھیل گئی اور یہ آیت وردِ زبان ہوگئی: ﴿كل من عليها فان، و يبقى وجه ربك ذو الجلال و الاكرام﴾ رونا شروع کیا، حاضرین میں سے کسی نے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: "نمی دانم کہ عاقبت من چہ خواہد بود"، نصف شب گزرنے کے بعد انتقال ہوا، غسل سید رکن الدین نے دیا اور نمازِ جنازہ انھوں نے اور شیخ ضیاء الدین نے پڑھائی، قاضی سید رکن الدین سے ان کا خاص اور عجیب معاملہ تھا، ان کے آنے سے بہت پہلے حاضرین مجلس سے کہنے لگتے: "سید آرہے ہیں"، یا کبھی کہتے: "مرد آرہے ہیں، میرے اوپر چادر ڈال دو"۔ ان کی قبر سید قطب الدین کی قبر کے بالکل قریب ہے۔

(۲) تذکرۃ الابرار۔

(تو وقت کا سردار ہے اور تیری اولاد بھی سردار ہوگی، تیرے فرزند
میرے فرزند ہیں جو بھی ان کو ایذا پہونچائے گا اس کے حق میں
بہتر نہ ہوگا۔)

قاضی ضیاء الدین برنی نے ان سے ملاقات کی تھی اور لکھا تھا کہ ان جیسے روشن اوصاف اور ان جیسی عزت وحشمت والے لوگ میں نے بہت کم دیکھے ہیں۔

ذیل میں ''تاریخ فیروز شاہی'' سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے سید موصوفؒ کے مرتبہ کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔

''وسید رکن برادر زادہ سید تاج الدین مذکور قاضی کڑا بودہ است و
باری تعالی سید رکن الدین را جامع فضائل آفریدہ بودہ و بکشف و
کرامت آراستہ وہم صاحبِ سماع بودو ہم وجدے وحالتے عجیب
داشت و روزگار بزرگی او در ترک و تجرید وعطا و ایثار کرانہ شدہ
است ومؤلف تاریخ فیروز شاہی سعادت ملاقات سید تاج الدین
وسید رکن الدین رحمہما اللہ دریافتہ است وشرائط پائے بوسی ایشاں
بجا آوردہ ومن مثل آں سادات بزرگوار و اوصاف سنیہ وحشمتے کہ
دادہ خدا بایشاں است کمتر دیدہ وسیادت ہمہ مآثر است وفرزندی
رسول رب العالمین ہمہ شرف و بزرگی ومنقبت وجلالت است کہ
اگر خواہم کہ در محامد آں سادات و سائر سادات کہ نور دیدگان
مصطفے (صلی اللہ علیہ وسلم) وجگر گوشگان مرتضیٰؓ بودہ اند و ہستند
چیزے بنویسم سراسیمہ می شوم وبعجز خویش معترف می گردم۔''

(سید رکن الدین جو سید تاج الدین ممدوح کے بھتیجے ہیں، کڑا
کے قاضی تھے، اللہ نے سید رکن الدین کو ہمہ صفت موصوف پیدا

کیا تھا، صاحب کشف و کرامت تھے، صاحب سماع تھے اور
عجیب وجد و کیفیات رکھتے تھے، ترک و تجرید اور سخاوت و ایثار
میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ مؤلف تاریخ فیروز شاہی نے سید
تاج الدین و سید رکن الدین رحمہما اللہ کی ملاقات وقدم بوسی کی
سعادت حاصل کی ہے، میں نے ایسے سادات عظام، ایسے بلند
اوصاف، ایسی شوکت و حشمت کم دیکھی ہے جو اللہ تعالی نے آپ
کو نصیب کی تھی، سیادت خلاصۂ مناقب ہے اور جناب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت فرزندی سب سے بڑا اعزاز ہے،
اگر چاہوں کہ ان سادات اور دوسرے سادات جو نور دیدۂ
مصطفے اور جگر گوشۂ مرتضی ہیں، کی تعریف میں کچھ لکھوں تو حیران
رہ جاتا ہوں اور اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔)

قاضی سید رکن الدین کے ایک صاحب زادہ سید صدر الدین کو اللہ تعالی نے اولادِ صالح سے نوازا، ان کی نسل میں سید فضل اللہ جیسے بزرگ بھی ہیں جنھوں نے عظیم آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہاں ان کی ذات مرجعِ خلائق تھی، سید صدر الدین کے پوتے سید محمد تقی جن کو "درویش بے ریا" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اپنے عصر کے مشاہیر علماء اور صاحب سلسلہ مشائخ میں سے ہیں، شاہ فرخ سیر ان کا مرید تھا اور ان کا سلسلہ اس نواح میں اب بھی باقی ہے، ان کے دوسرے صاحب زادوں میں سید احمد (پالتی پور) سید صالح (فتح پور) اور سید جلال (مورث سادات کورّہ ضلع فتحپور) جیسے علماء و اولیاء نظر آتے ہیں۔

امیر سید قطب الدین محمد ثانی

امیر سید قطب الدین کی اولاد تقریباً ایک صدی تک کڑا میں عزت و نیک

نامی کی زندگی بسر کرتی رہی، اس میں زیادہ تر افراد منصبِ قضا پر یکے بعد دیگرے فائز ہوتے رہے، اسی سلسلہ کے ایک بزرگ امیر سید قطب الدین محمد ثانیؒ کو قصبہ جائس کا قاضی مقرر کیا گیا اور وہ جائس (۱) منتقل ہوگئے، ان کے بیٹے سید علاء الدین کو سکندر لودی نے نصیر آباد کا قاضی مقرر کیا۔(۲) اور وہ جائس سے نصیر آباد منتقل ہوگئے، (۳) جس محلّہ میں ان کا قیام تھا اس کا نام ہی قاضی کی نسبت سے قضیانہ پڑ گیا اور آج بھی اسی نام سے موسوم ہے۔ سید علاء الدین کے بعد ان کے بیٹے سید محمود ۸۷ھ میں عہدۂ قضا پر فائز ہوئے، انھوں ۸۶۸ھ میں وفات پائی اور ''باغ قاضی'' میں مدفون ہوئے۔

قاضی سید محمود نے دو فرزند چھوڑے قاضی سید محمد و قاضی سید احمد۔

قاضی سید محمد ۸۶۸ھ میں اپنے والد کے جانشین ہوئے اور ۲۷؍برس مسلسل عہدۂ قضا کو رونق بخشی۔ ۱۲؍ربیع الاول ۸۹۵ھ میں انتقال فرمایا۔

قاضی سید احمد

قاضی سید احمد (مشہور بہ سید راجع) کمالِ تقویٰ و احتیاط، دینی حمیت اور ادبِ شریعت میں ممتاز مقام رکھتے تھے، ۸۹۵ھ میں اپنے بھائی کے جانشین ہوئے اور ۳۷؍برس تک مسندِ عدالت و قضا کو اپنے وجود سے زینت بخشی۔

ان ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ رشتہ داروں میں جائداد کا کچھ مسئلہ کھڑا ہوگیا، دونوں فریق قاضی (یعنی سید احمدؒ) کے پاس اپنا مقدمہ لائے اور ان سے فیصلہ کے خواستگار ہوئے، قاضی سید احمدؒ نے بلا کم و کاست حکم شرعی بیان کر دیا، اس پر مدعی کی

---

(۱) ان کی قبر انصاریوں کے محلّہ میں صحنِ مسجد میں موجود ہے۔ جائس رائے بریلی کا ایک مشہور اور مردم خیز قصبہ ہے۔

(۲) مہر صاحب نے ''سید احمد شہید'' میں لکھا ہے کہ سید علاء الدین آخر تک جائس ہی میں رہے، البتہ ان کے پوتے کو نصیر آباد میں عہدۂ قضا مل گیا اور وہ وہاں آ گئے، لیکن ''تذکرۃ الابرار'' مرتبہ مولانا سید عبدالحیؒ ''برکات احمدیہ'' اور تاریخ کڑا مانک پور اور بعض خاندانی شجروں میں اس کی صراحت ہے کہ سید علاء الدین بھی نصیر آباد تشریف لائے۔

(۳) تاریخ کڑا و مانک پور۔

زبان سے یہ الفاظ نکلے: ''از چنیں حکمِ شرع (نعوذ باللہ) بیزارم''، قاضی سید احمد اس بات کی تاب نہ لا سکے اور منصبِ قضا کو خیر باد کہہ کر نصیر آباد چھوڑ دیا اور رائے بریلی آ کر محلّہ سید راجع میں قیام پذیر ہوئے اور پھر دوبارہ نصیر آباد میں قدم نہ رکھا، وہ فرماتے تھے کہ جس آبادی میں حکمِ شریعت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا ہو وہاں مؤمن کے لئے ٹھہرنا زیبا نہیں،(۱) اس واقعہ کے تین سال بعد ۹۳۵ھ میں انتقال فرمایا اور وہیں مدفون ہوئے۔(۲)

ان کے فرزند سید محمد معظم نے دو نامور فرزند چھوڑے: سید محمد فضیل و سید محمد اسحٰق۔

سید محمد فضیل

سید محمد فضیل زہد و تقویٰ، تعلق مع اللہ اور علومِ ظاہری و باطنی میں ممتاز اور عزیمت و استقامت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ ''تذکرۃ الابرار'' کے الفاظ ہیں:

''سید محمد فضیل صاحب حالات عالیہ و مقامات متعالیہ بودند و از علوم ظاہری و باطنی و زہد و ریاضت بہرہ ور در علم و عرفان کامل بود۔''

ان کی ساری زندگی دوسروں کی خدمت، بیواؤں، یتیموں کی اعانت اور صلہ رحمی و حسنِ سلوک میں گزری، ان تمام فضائل اور اس علمی مرتبہ اور کمالات و اوصاف کے باوجود وہ روزانہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کے گھر جا کر پوچھتے تھے کہ اگر کسی کو ضرورت ہو تو مجھ سے بتا دے، بیواؤں کے لئے بازار سے سامان خرید کر، بعض وقت لکڑیاں اپنے سر پر رکھ کر ان کے گھر پہنچا دیتے تھے، اور اس پر خوش ہوتے تھے، اس خدمت و قربانی کے ساتھ تدریس کا سلسلہ، مریدین و اہلِ تعلق کی تربیت و دینی رہنمائی اور مجاہدات و ریاضات کا سلسلہ بھی جاری رہتا، اور دن رات کا کوئی وقت ضائع نہ ہوتا۔

---

(۱) سید احمد شہید از غلام رسول مہر (۲) تذکرۃ الابرار

ان کے ساتھ بھی وہی واقعہ پیش آیا جوان کے دادا کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ نصیر آباد سے رائے بریلی منتقل ہوئے تھے۔

نصیر آباد میں بعض مسائل اور اختلافات کے تصفیہ کے لئے ایک اجتماع تھا، دورانِ گفتگو میں سید محمد فضیل نے فرمایا کہ یہ اختلافات شریعت کے حکم کے مطابق طے کر لینے چاہئیں، اسی میں دنیا و آخرت دونوں کی فلاح ہے، بعض جاہل اور بدزبان آدمیوں نے جواب دیا کہ شریعت کیا ہے، ہمارے بزرگ جو فیصلہ کردیں گے وہی درست ہے، سید محمد فُضیل یہ بات سُن کر بہت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ: ''در دیار بے ادباں بودو باش حرام است'' (بے ادبوں کے دیار میں بودوباش حرام ہے)۔

سید محمد فضیل اسی روز سب سے رخصت ہوئے اور گھر بار چھوڑ کر حرمین شریفین ہجرت کر گئے اور اپنی ساری عمر جوارِ رسولؐ میں گزاردی اور ۱۰۳۲ھ میں وہاں وفات پاکر زندہ جاوید ہوئے۔(۱)

سید محمد اسحاق

سید محمد اسحاق حضرت سید آدم بنوری کے معاصر ہیں، ان کو اکثر مشائخ اور بزرگوں سے استفادہ کا موقع ملا، تمام عمر مجاہدات، ریاضتوں اور نفس کشی میں گزری جس کے متعدد واقعات خاندانی مآخذ میں محفوظ ہیں، ان کے فرزند دیوان سید خواجہ احمد اپنے وقت کے متبحر عالم اور صاحبِ باطن بزرگ تھے، جب ان کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو دیوان خواجہ احمد صاحب طالب علم تھے، بھائی ہجرت کر چکے تھے، اس لئے یہ امانت ایک امین کے سپرد کی اور عالم جاودانی کی طرف منتقل ہوئے، ان کی قبر قاضی باغ میں قاضی سید محمد کی قبر کے سامنے ہے۔ دیوان خواجہ احمد کے علاوہ ان کے دو صاحبزادے اور تھے، مولانا سید ہدایت اللہ و سید تاج الدین، جن میں مولانا سید

---

(۱) تذکرۃ الابرار، ان کی تاریخ وفات ''ولنعم دار المتقین'' ہے۔

ہدایت اللہ علم وفضل اور کمالات ظاہری وباطنی میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

دیوان سید خواجہ احمد

اس خاندان کی نامور شخصیتوں میں دیوان سید خواجہ احمد کا نام نامی فراموش نہیں کیا جاسکتا، جو اپنے علم وفضل، سلوک ومعرفت دونوں میں دستگاہِ کامل رکھتے تھے۔

دیوان سید خواجہ احمد نے ابتدائی تعلیم نصیر آباد میں حاصل کی، اس کے بعد الہ آباد جاکر شیخ محبّ اللہ الہ آبادی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر معقولات ومنقولات کی تکمیل کی، اس کے بعد نصیر آباد آکر درس و تدریس اور افتا وافادہ کا سلسلہ شروع کیا، آخر میں جذبِ الٰہی کا غلبہ ہوا، اور بے چینی بڑھنے لگی تو حضرت سید آدم بنوری (جن کا آفتاب رشد وہدایت اس وقت عروج پر تھا) کی تلاش میں نکلے اور گوالیار میں ان کا دامن پکڑا اور ان کی ہجرت سے قبل خلافت سے سرفراز ہوئے۔(۱)

حضرت دیوان خواجہ احمد صاحب کے حالات کا بڑا ذخیرہ اس وقت موجود نہیں، لیکن جو کچھ ہمارے سامنے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساری زندگی درس وافادہ، عبادت و ذکر اور مراقبہ میں گزری، شریعت پر استقامت، کمال زہد و احتیاط اور اس علم ومعرفت کے ساتھ کرامات وخوارق کا بھی اس کثرت سے صدور ہوتا تھا جو ان کے درجہ کے کسی عالم وشیخ سے سُننے میں نہیں آیا۔

متعدد کتابیں تصنیف کیں، لیکن زمانہ کی دستبرد نے ان کو باقی نہ رکھا، مولانا سید عبدالحیؒ کے کتب خانہ میں ان کے رسائل کا ایک مختصر مجموعہ اب بھی محفوظ ہے جس میں ایک رسالہ حرمت غنا پر ہے اور ایک آدھ دوسرے علوم ومعارف پر مشتمل ہے، رسالہ کے پہلے صفحہ پر جامیؒ کے کچھ اشعار درج ہیں، جن سے ان کے ذہن، مزاج اور

---

(۱) نزہۃ الخواطر ج/۶ ص/۳۷ و۳۸، ودیگر مآخذ۔

جذبات وکیفیات کا اندازہ ہوتا ہے:

یارب دلِ پاک وجانِ آگاہم دہ　　آہ شب و گریۂ سحر گاہی دہ
در راہِ خود اول ز خودم بیخود کن　　وانگہ بیخود زخود بخود را ہم دہ

☆☆☆

یارب کوئے بے نیازم گرداں　　و از افسر فقر سرفرازم گرداں
در راہِ طلب محرم رازم گرداں　　زان رہ کہ بسوئے تست بارم گرداں

اس سے پہلے والے صفحہ پر جو علیحدہ سے لگا ہے مولانا سید عبدالحیؒ کی حسبِ ذیل عبارت درج ہے:

"رسائل مصنفہ حضرت دیوان سید خواجہ احمد نصیر آبادی نور اللہ مرقدہ کہ بعنایت الٰہی بایں فقیر رسیدہ، امید از اولا دسعادت مند آنست کہ ازیں چنیں رسائل فائدہ گزید، وآں را محفوظ دارید، واللہ الموفق۔

عبدالحی ۲۲/جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ۔"

۱۰۸۸ھ میں نصیر آباد میں انتقال ہوا اور اپنی مسجد کے صحن میں دفن ہوئے۔(۱)

سید محمد فضیل کے دو صاحبزادے تھے، سید شاہ علم اللہؒ اور سید شاہ داؤد۔

آئندہ صفحات سید شاہ علم اللہ حسنیؒ کے حالات وسوانح اور کمالات واوصاف پر مشتمل ہیں، اور ان میں اس "جمالِ یار" کی تصویر کشی کی کوشش کی گئی ہے جس کی آب تاب سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد آج بھی اسی طرح باقی ہے، اور اس کا تذکرہ ہی مشامِ جان کو معطر کرنے کے لئے کافی ہے:

گر مصور صورتِ آں دلستاں خواہد کشید
حیرتے دارم کہ نازش را چساں خواہد کشید

---

(۱) "داخلِ جنت" تاریخِ وفات ہے۔

باب دوم

ولادت، بچپن، نصیر آباد کا قیام، سفرِ ہجرت

حضرت سید شاہ علم اللہ حسنیؒ تاریخِ اسلام کے ان خوش قسمت اور منتخب اشخاص میں ہیں جو نہ صرف اپنی ذات سے نبوت محمدیؐ کے کمالات واوصاف کا ایک زندہ معجزہ اور اسلام کی ابدیت وصلاحیت اور اس کی سحر انگیزی اور انقلاب آفرینی کی روشن نشانی تھے، بلکہ ان کے سب ہی صاحبزادے اور پوتے اپنے اپنے عہد میں اولیائے کاملین کا نمونہ اور اتباعِ شریعت، پیرویٔ سنت اور سلوک ومعرفت میں بہت بلند مرتبہ کے مالک اور بہت سی خصوصیات کے حامل تھے۔(۱)

کسی ایک گھرانہ بلکہ ایک گھر میں اتنی بڑی تعداد میں عارفین وکاملین کا اجتماع اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اور اس کو خدا کے فضلِ خاص اور قرب و اختصاص کے سوا کسی اور چیز سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

خانوادۂ علم اللہی کی یہ ''کہکشاں'' ہر وقت اور ہر جگہ روشن رہی، اور اس نے کسی شب تاریک میں بھی بخل سے کام نہیں لیا، لیکن چاند اور روشن ستاروں کی یہ محفل سید شاہ علم اللہ حسنیؒ تک پہنچ کر جس طرح آراستہ ہوئی ہے اس کی نظیر ہماری تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

ولادت

سید محمد فضیل (والد سید شاہ علم اللہؒ) کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، انھوں نے سید شاہ علم اللہ کی پیدائش سے پہلے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ میرے گھر میں مٹی کے ایک

---

(۱) سید شاہ علم اللہ کی اولاد واحفاد کا تذکرہ انشاء اللہ کتاب کے آخر میں آئے گا۔

بڑے طشت کے پیچھے آفتاب چھپا ہوا ہے اور اس کے چاروں طرف سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں، تھوڑی دیر کے بعد وہ بلند ہو گیا اور میرا سارا گھر بلکہ قریب کا سارا علاقہ اس کی روشنی سے جگمگا اٹھا، انھوں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ اللہ ان کو ایسا باکمال فرزند عنایت فرمائے گا جس کے وجود سے ہر طرف سنت کی روشنی پھیلے گی اور اس کے ظاہری و باطنی کمالات سے بہت لوگ فیضیاب ہوں گے، اس کے کچھ ہی عرصہ بعد احیاء سنت کا یہ درخشاں سورج ۱۲/ربیع الاول ۱۰۳۳ھ کو وجود میں آیا(۱) خدا کو منظور تھا کہ اس بچہ سے احیاء سنت اور ازالۂ بدعت کا بڑا کام لینا ہے اس لئے پیدا ہوتے ہی سنت یتیمی و یسیری کی تکمیل ہوئی، والد کا سایہ ان کی ولادت سے تقریباً ڈھائی مہینہ پہلے ہی اٹھ چکا تھا اور والدہ کی وفات بھی ان کی ولادت کے تین سال بعد ہو گئی اور ان کی پرورش اور کفالت کے ذمہ دار ان کے حقیقی ماموں دیوان قاضی سید ابو محمد ہوئے۔(۲)

دیوان قاضی سید ابو محمد نے اپنی اولاد سے زیادہ ان کا خیال رکھا اور پوری دلسوزی، شفقت اور محبت کے ساتھ ان کی پرورش کی، ہر چیز میں ان کو بچوں پر مقدم رکھتے تھے، پہلے ان کی خواہش اور ضرورت پوری کرتے اس کے بعد اپنے بچوں کی، انھوں نے ان کو یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ وہ والدین کی نعمت سے محروم ہیں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ علم اللہؒ اکثر فرماتے تھے کہ میری اولاد و احفاد پر لازم ہے کہ وہ خالِ گرامی کے ساتھ تعظیم و تکریم اور حسنِ سلوک کے تمام آداب ملحوظ رکھیں کہ یہ امر میری خوشنودی کا موجب ہوگا۔

---

(۱) عجیب توفیق الٰہی ہے کہ ان کی ولادت میں بھی (جس میں کسی انسان کے عمل کو دخل نہیں) قدرتی طور پر اتباع سنت ہو گئی۔

(۲) دیوان سید ابو محمد سید فتح عالم کے فرزند ہیں، سید فتح عالم (جد مادری سید شاہ علم اللہؒ) سفرِ ہجرت کے بعد ان کی جگہ نصیر آباد کے قاضی ہوئے، سید ابو محمد امرائے شاہجہانی میں تھے، سلطان مراد نے کابل و ملتان کی صوبہ داری بھی ان کے سپرد کی تھی۔ اپنے والد کے بعد قاضی مقرر ہوئے، لیکن ان ذمہ داریوں کے ساتھ عہدۂ قضا کا نباہنا مشکل تھا، اس لئے اس کو اپنے بھائی کے سپرد کیا اور دربار سے وابستہ ہو گئے۔

تعلیم وتربیت

سید شاہ علم اللہ کی تعلیم و تربیت زیادہ تر ان کے چچازاد بھائی دیوان سید خواجہ احمدؒ کے ذمہ رہی، جن کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے، لیکن اس کے مزید حالات ہمیں نہیں ملتے، غالباً ابتدائی درسیات اپنے ماموں سید ابو محمد سے اور تکمیل علوم دیوان سید خواجہ احمد سے کی ہوگی۔

ایک بشارت

بچپن میں جب ان کی عمر سات سال کی تھی ان کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور اس سے لوگوں کو اندازہ ہوا کہ یہ بچہ آئندہ کیا بننے والا ہے اور قدرت اس کے لئے کیا سامان کر رہی ہے۔

سید علم اللہ اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ کسی گذرگاہ پر کھیل کود میں مشغول تھے کہ حضرت بندگی جعفر (فرزند بندگی نظام الدین امیٹھوی قدس اللہ سرہ) کا اچانک ادھر گذر ہوا، شاید مخدوم حسام الحق مانکپوری کی خانقاہ کی زیارت کے لئے جارہے تھے، سید شاہ علم اللہ پر نظر پڑتے ہی ٹھہر گئے اور بہت غور سے ان کو دیکھنے لگے، جب دیر تک اسی حالت میں کھڑے رہے تو ہمراہیوں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ رُک کر دیر تک اس لڑکے کو دیکھتے رہے؟ انھوں نے جواب دیا، دوستو! میں اس مبارک و سعید بچہ کی پیشانی سے عرشِ اعظم تجلئ الٰہی کا ایک نور دیکھ رہا ہوں، خوش قسمت ہے وہ شخص جس کا یہ بچہ ہے، یہ مخلوق کی شریعت وطریقت کی طرف رہنمائی کرے گا، ایک عالَم اس سے منور ہوگا، یکتائے زمانہ، فرد فرید ہوگا۔

حضرت بندگی جعفرؒ کی تاریخِ وفات ۱۰۴۰ھ ہے اور شاہ علم اللہؒ کی تاریخِ پیدائش ۱۰۳۳ھ، اس لحاظ سے ان کی عمر اس وقت سات سال ہونا چاہئے۔

چند روز لشکرِ شاہی میں

سید علم اللہؒ کا آغازِ شباب ہی تھا کہ سید ابو محمدؒ نے کمالِ ہمدردی میں ان کو لشکرِ شاہی کی ملازمت میں لینا چاہا، چوں کہ وہ خود صوبہ دار تھے اور امراء میں سے تھے اس لیے اس کارروائی میں تاخیر اور دشواری کا کوئی سوال نہ تھا، اسباب وسامان اور خیل وحشم جو اس قسم کی شاہی ملازمت کے لئے ضروری سمجھے جاتے تھے، وہ سب انھوں نے مہیا کیے، سید علم اللہؒ کو ملازمت کی مخصوص پوشاک (یونیفارم) پہنائی اور دربار میں لے گئے، ملازمت کی باضابطہ کارروائی ابھی باقی تھی اور یہ وقفہ گویا ان کو اس نئے ماحول سے روشناس کرانے اور آدابِ شاہی سے واقف کرانے کے لئے تھا، اس درمیان میں سید شاہ علم اللہؒ کو چند بار وہاں جانے کا اتفاق ہوا، آتے وقت ان کو برابر انقباض اور طبیعت میں افسردگی محسوس ہوئی، (۱) لیکن اپنے شفیق ماموں کی خاطر داری کے لئے کچھ روز یہ صبر آزما آمد ورفت برداشت کی۔

زندگی کا نیا موڑ

ادھر یہ کارروائی ہو رہی تھی ادھر خدا ان کے لئے کچھ اور سامان کر رہا تھا، اسی درباری وابستگی سے ایسی صورت پیدا ہوئی جس نے ان کی پوری زندگی کا رُخ تبدیل کر دیا اور ان کو ایک نئے عالم میں پہنچا دیا، ان کے مؤرخین نے اس سلسلہ میں دو واقعات قلمبند کئے ہیں، لیکن دراصل وہ ایک ہی واقعہ کے دو پہلو ہیں اور باہم مربوط ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ شاہجہاں کا دستور تھا کہ سفر میں جہاں اس کا خیمہ لگایا جاتا تھا اس میں چار منصب دار رات بھر ہر وقت اس کے تخت کے پاس موجود رہتے تھے، ایک مرتبہ دہلی میں کسی جگہ بادشاہ کی فرودگاہ ہوئی، رات کو کسی وقت بادشاہ کی آنکھ کھُلی، اس نے پوچھا کوئی موجود ہے؟ اتفاق سے اس وقت کوئی ڈیوٹی پر نہ تھا اور سید شاہ علم اللہؒ

---

(۱) اعلام الہدیٰ وسیرت علمیہ۔

قریب ہی موجود تھے۔ انھوں نے جواب دیا: ''علم اللہ''۔ رات تاریک تھی اور ابر و باد کا موسم تھا اس لئے اتفاق سے اس وقت کوئی بھی بادشاہ کے پاس موجود نہ تھا، آدھی رات کے وقت پھر بادشاہ کی آنکھ کھلی اور اس نے پوچھا اس وقت کون ہے؟ سید علم اللہ بیدار تھے انھوں نے فوراً کہا: ''علم اللہ''۔ بہر حال جتنی بار بادشاہ نے پوچھا اس کو یہی جواب ملا، صبح کے وقت بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آج کی رات تمھارے سوا اور کوئی نہیں تھا؟ سید علم اللہؒ نے فرمایا: ہاں، بادشاہ اس فرض شناسی اور کارگزاری سے بے حد خوش ہوا، اور بڑے انعامات اور خلعت فاخرہ سے نوازا۔ (۱) لیکن سید شاہ علم اللہ پر اس کا الٹا اثر پڑا، ان کو اس رات کے ضائع ہونے پر افسوس ہوا، ''مہر جہاں تاب'' میں ہے کہ ان کے دل میں خیال آیا کہ محض ایک مخلوق کی خاطر داری کے لئے میں نے پوری رات گزار کر سحر کر دی، کاش یہ رات خالق ارض وسماوات کی عبادت میں بسر کی ہوتی اور اس کے بدلہ میں لافانی دولت اور لازوال نعمت حاصل ہوتی، مجازی بادشاہ حاجب و دربان رکھتے ہیں اور مقربین کو کبھی کبھی باریاب کرتے ہیں، بادشاہِ حقیقی تک پہنچنے کے لئے کوئی حاجب و دربان نہیں، آشنا اور شاہ و گدا سب کے لئے اس کا دروازہ کھلا ہوا ہے، پھر ان سب بندوں کا نظام اسی بے نیاز کے ہاتھ میں ہے، اسی کی طرف اپنا رُخ کیوں نہ رکھا جائے اور اسی سے کیوں نہ مانگا جائے۔

ترک و تجرید

اس خیال نے اتنا بے قرار کیا کہ اپنے خیمہ سے ننگے پیر، ننگے سر، لنگی باندھ کر خیمہ سے باہر نکل آئے، اور صلائے عام کر دی کہ یہ سارا سامانِ احتشام، اسباب،

---

(۱) سید محمد نعمان صاحبِ ''اعلام الہدیٰ'' کی روایت ہے کہ ان کے ماموں سید ابو محمد نے اپنے طور سے ان کے لئے سارے انتظامات کر دئے تھے، اور دربار میں ان کی حیثیت کے لائق جگہ بھی متعین کر دی تھی، میرا خیال ہے کہ یہ سب ان کی منظوری اور باقاعدہ ملازمت سے قبل تھا اور اس لئے کیا گیا تھا تاکہ وہ یہ پُر کشش ماحول کو دیکھ کر خود اس جگہ کو اپنے لئے پسند کر لیں، مذکورہ بالا واقعہ مہرِ جہاں تاب (ص: ۷۳۶) میں منقول ہے۔

گھوڑے اور خیمہ کے سارے شاہی لوازمات اور سامانِ عشرت جس کا جی چاہے لے جائے۔(۱) یہ اعلان کرنا تھا کہ تمام لوگ ٹوٹ پڑے اور دیکھتے دیکھتے سارا سامان و اسباب اُٹھ گیا، جب سید ابو محمد کو یہ خبر پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا، وہ آئے اور بڑی منت سماجت سے اپنے محبوب بھانجہ کو سمجھانے اور اس ارادہ سے باز رہنے کی کوشش کی، سید شاہ علم اللہؒ نے اس کا جو جواب دیا وہ راقمِ سطور کے نزدیک پورے تصوف کا خلاصہ اور ہماری زندگی کی ایسی حقیقت ہے جس کو سمجھے بغیر نہ آدمی اپنے آپ سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ اپنے حقیقی محبوب سے روشناس:

"دلے دارند و محبوبے ندارند"

انھوں نے کہا کہ ماموں جان آپ کا میرے ساتھ جو محبت و شفقت کا برتاؤ ہے اور جو سلوک و صلۂ رحمی آپ فرماتے رہے ہیں شاید اسی لئے میرے اس تغیرِ حال پر آپ کو رنج ہے لیکن میں کیا کروں کہ آدمی کے پہلو میں ایک ہی دل ہوتا ہے اور ہر جگہ اس کے ساتھ رہتا ہے، اس سے دو متضاد کام نہیں لئے جا سکتے: ﴿ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفه﴾ اس کے بعد یہ شعر پڑھا:

از دل بروں کنم غمِ دنیا و آخرت
یا خانہ جائے رخت بود یا سرائے دوست

پھر کہنے لگے کہ اب تو آپ مجھ سے مایوس ہو جائیں اور میری فکر چھوڑ دیں۔

بھائیوں اور دوستوں نے بھی ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن کوئی بات کارگر نہ ہوئی اور وہ اپنے فیصلہ پر قائم رہے۔

مجاہدات کے دو سال

اس کے بعد سید شاہ علم اللہ نے دو سال لشکر گاہ میں گزارے لیکن اس طرح

(۱) ایک روایت ہے کہ سامان و نقد دونوں کی مالیت ملا کر تقریباً ۹ رلاکھ روپیہ تھی۔ (بحوالہ: مہر جہاں تاب)

کہ پہلے سال جنگل سے لکڑیاں کاٹ کراور تہذیبِ نفس کے لئے خود اپنے سر پر لاد کر سرِ بازار اپنے جاننے والوں اور دوستوں کے ہاں جو ان کی سابقہ حیثیت سے واقف تھے فروخت کرتے، اور جو کچھ ملتا اس پر گزر بسر کرتے۔ دوسرا سال اس طرح گزارا کہ لوگوں کے گھروں میں کنویں سے پانی بھرتے اور اس کے معاوضہ سے اپنے اخراجات پورے کرلیتے، ان خدمات شاقہ اور مجاہدات کے بعد کسی شیخ کامل کی رہنمائی اور تربیت حاصل کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور یہ شوق لاہور تک کھینچ لایا۔

ایک مجذوب سے ملاقات

لاہور میں ایک درویش وسالک بزرگ مقیم تھے، سید شاہ علم اللہؒ ان کی خانقاہ پہنچے، اتفاق سے ان دنوں ان کی خانقاہ میں مرمّت ہورہی تھی اور مزدور لگے ہوئے تھے، سید شاہ علم اللہؒ کو خیال آیا کہ بغیر کچھ لئے ہوئے درویشوں کے پاس جانا ٹھیک نہیں، لیکن ان کے پاس رکھا ہی کیا تھا، مٹی گارے کے کام میں خود بھی شریک ہوگئے اور مٹی کی کچھ ٹوکریاں لے کر گارے میں ڈالیں، تاکہ اسی بہانے سے کچھ شرکت ہوجائے، اس کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: ''بیا سید در میدانِ مرداں سرخ روشو'' (آؤ سید! مردوں کے میدان میں سرخرو ہو)، اس کے بعد بہت بشارتیں دے کر رخصت کیا۔(۱)

حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں

سید شاہ علم اللہؒ کو ابتدا ہی سے حضرت سید آدم بنوریؒ سے بیحد عقیدت تھی اور معلوم ہوتا ہے کہ ایامِ تعلیم ہی سے ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر کسی سے بیعت ہونا ہے تو وہ سید آدم بنوریؒ ہیں۔

تذکرۃ الابرار میں جو واقعہ مرقوم ہے اس سے اس کا صاف اشارہ ملتا ہے:

---

(۱) تذکرۃ الابرار۔

> ”جس زمانے میں وہ اپنے چچا زاد بھائی دیوان خواجہ احمدؒ سے پڑھ رہے تھے، گاہے گاہے دیوان خواجہ احمد کو شیخ آدم کی بیعت کی ترغیب دیتے رہتے تھے، ایک روز خواجہ احمد نے کہا کہ شیخ کو ظاہرِ علوم سے بہرہ نہیں ہے، میں ان کی بیعت پر کیوں کر راضی ہو جاؤں؟ شاہ علم اللہؒ بولے: آپ جیسے عالم اگر شیخ کے پاس جائیں تو بات نہ کر سکیں، امتحاناً خواجہ احمد نے شیخ کے پاس جانا منظور کر لیا اور جاتے ہی علمِ کلام کا ایک مسئلہ پوچھا، شیخ نے کہا: آپ عالم ہیں، میں عامی ہوں، آپ بیان فرمائیں! اصرار پر شیخ نے اس انداز میں مسئلہ کی توضیح فرمائی کہ خود خواجہ احمد بھی اس سے زیادہ نہیں جانتے تھے، دوسرے روز تفسیر کا ایک مشکل مسئلہ پیش کر دیا، شیخ نے اسے بھی بے تکلف حل کر دیا، تیسرے روز بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، آخر خواجہ احمد خود بیعت کے لیے درخواست پیش کر دی۔“(۱)

لیکن سید شاہ علم اللہؒ جانتے تھے کہ استعداد اور صلاحیت پیدا کئے بغیر بیعت و ارادت کا پورا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا (جیسا کہ گزشتہ سطور سے معلوم ہوا ہوگا) دو سال کے سخت اور نفس دشمن مجاہدات کے بعد انھوں نے اپنے لئے بیعت کا فیصلہ کیا، ”مہر جہاں تاب“ میں ہے کہ سید آدم بنوریؒ اس وقت دہلی میں تشریف رکھتے تھے قیاس ہے کہ غالباً ۱۰۴۹ھ کا زمانہ تھا، اس وقت سید شاہ علم اللہؒ کی عمر اندازاً سولہ سال رہی ہوگی جو یقیناً بہت کم عمر ہے اور اس کمسنی میں یہ حالت خدا کی توفیقِ خاص اور ان کی علوِ استعداد کی علامت ہے۔

---

(۱) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی ”انفاس العارفین“ میں یہ واقعہ لکھا ہے، (سید احمد شہید، غلام رسول مہر، ص:۳۸)

سید شاہ علم اللہؒ حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند ہی روز میں توفیق الٰہی سے تمام منازلِ سلوک طے کر لیے اور ''ولایتِ خاصہ واخص وخاص الخاص'' اور مراتبِ کمالاتِ نبوت سے سرفراز ہوئے، ''حضرت سید آدم بنوریؒ نے خلافت و نیابت عطا کی اور اپنا عمامہ اور حضرت مجددؒ کی دستارِ مبارک عنایت کی۔'' (۱)

خواجہ محمد امین بدخشی نے جو حضرت آدم بنوریؒ کے مجاز و مقرب ہیں، ''نتائج الحرمین'' میں لکھا ہے کہ دیوان سید خواجہ احمد اور سید شاہ علم اللہؒ دونوں ساتھ گوالیار گئے تھے، اور حضرت آدم بنوریؒ سے بیعت ہوئے تھے اور ان سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

> ''دراں ایام کہ سیدی عازم حرمین بودند بہ سببِ باراں دونیم در شہر گوالیار اقامت کردند، حضرت میر سید علم اللہ جیو، ومیاں خواجہ احمد بہ صحبتِ ایشاں رسیدہ استفادہ باطنی کردند، فقیر و ایشاں و قاضی و داعی شہر در یک صحبتِ خاصہ وعرفان مخصوصہ استفادہ کردیم، وخارقے ہم از ایشاں دیدم آخر آں در سال ہزار و ہفتاد وپنجم در مکہ ملاقات کردیم ولیکن از احوالِ خود نگفتہ۔'' (۲)

طالبِ صادق کے شب وروز

حضرت سید آدم بنوریؒ کی خدمت وصحبت میں کتنا زمانہ گزرا، اس کے متعلق کوئی متعین بات نہیں کہی جاسکتی، مہرِ جہانتاب سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بارہ راتیں بہت عسرت اور تہی دستی کے ساتھ گزاریں، روزانہ صبح جنگل کی طرف نکل جاتے

---

(۱) سیرت سید احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی ندوی ص:۵۹

(۲) خواجہ محمد امین بدخشی کی یہ روایت بہت قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ جب وہ خود سید شاہ علم اللہؒ دورانِ تعلیم میں دیوان خواجہ احمد کو سید آدم بنوریؒ سے بیعت کی ترغیب دیتے رہتے تھے تو بہت ممکن ہے کہ دونوں نے ساتھ ہی بیعت کرنا طے کیا ہو۔

اور لکڑیاں اپنے سر پر لاد کر فروخت کرتے اور صرف یہی نہیں بلکہ نصف رقم سے اپنا کام چلاتے اور باقی نصف محتاجوں میں تقسیم کر دیتے۔(۱)

اس شان کے ساتھ تھوڑی مدت وہاں رہے، جب رخصت ہونے لگے تو عرض کیا کہ اس طرف اودھ میں بہت سے اولیاء اور عالی مرتبہ لوگ ہیں، میری ان میں حیثیت ہی کیا ہوگی، حضرت سید آدمؒ نے کچھ دیر مراقب ہو کر فرمایا ان میں تمھاری حیثیت ایسی ہوگی جیسے چراغوں میں شمع کی، پھر کچھ دیر مراقبہ کے بعد فرمایا، سید خاطر جمع ہو جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ، تمھاری نسبت ان میں ایسی ہوگی جیسے ستاروں میں آفتاب کی۔(۲)

ہجرت کا خیال

سید شاہ علم اللہؒ کے جدِّ امجد قاضی سید احمدؒ نے ایک نزاع اور شریعت کی بے حرمتی کی وجہ سے ترکِ وطن کر کے رائے بریلی میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور سید شاہ علم اللہؒ کے والد سید محمد فضیل نے (جو عجیب و غریب اور قابلِ رشک حالات رکھتے تھے) اسی سبب سے اور احکامِ شرعیہ کی بے حرمتی کی تاب نہ لا کر اس ملک کو خیر باد کہہ دیا اور مدینۃ الرسول ﷺ میں آسودۂ خاک ہوگئے، سید شاہ علم اللہ نے بھی اس سنت ہجرت پر عمل کیا۔

راقم سطور کا خیال ہے کہ وہ بھی اسی قسم کے واقعات سے دل برداشتہ ہوئے جو ان کے آبائے کرام کے ساتھ پیش آئے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نصیر آباد کا عہدۂ قضا چوں کہ اسی خاندان میں رہا اور اس کے علاوہ وجاہت و اعتماد کی وجہ سے قصبہ کے زمین و جائداد کے مسائل یا خاندانی اختلافات ان ہی حضرات کے سامنے آتے ہوں

---

(۱) مہر جہاں تاب، ص/ ۷۳۶۔

(۲) سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص: ۶۰۔

گے اور قدرتی طور پر اس قسم کی چیزوں سے واسطہ پڑتا ہوگا، اس لیے اس پر شدید انقباض اور تابِ سماعت نہ لانا کچھ بعید نہیں، سید شاہ علم اللہؒ کے سلسلہ میں ہمیں کوئی متعین چیز نہیں ملتی جس سے اس مسئلہ پر روشنی پڑ سکے، البتہ وقائع احمدی میں اس کی طرف کچھ اشارہ ضرور ملتا ہے، اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ شاہ علم اللہؒ اکثر بہ سبب فساد و جھگڑے برادری کے برخاستہ خاطر اور مکدّر طبیعت رہا کرتے تھے اور اکثر قصد ہجرت کا کیا کرتے تھے۔(۱)

''وقائعِ احمدی''میں ہے کہ حضرت سید آدم بنوریؒ سے شاہ صاحب نے ان ہی منازعات کا حوالہ دیا اور اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کی اجازت چاہی، حضرت سید آدم بنوریؒ بھی ہجرت کے ارادہ سے چلے تھے اس لئے اس ارادہ کو اور تقویت ہوئی ہوگی، حضرت سیدؒ نے فرمایا جاسکتے ہو لیکن اگر کوئی مردِ خدا تمھیں روکے تو ٹھہر جانا۔(۲)

نصیرآباد واپسی اور سفر کی تیاری

نصیرآباد واپس ہوئے اور قصبہ کے اندر جانے کے بجائے قصبہ کے مضافات میں ٹھہر گئے اور اپنی اہلیہ کو یہ پیغام بھیجا کہ میں نے اللہ تعالی کو راضی کرنے کے لئے دنیا ومافیہا سے کنارہ کشی کا فیصلہ کرلیا ہے، اگر تمھیں ساتھ رہنا منظور ہو تو اسباب دنیوی سے منھ پھیر کر اللہ تعالی کی طرف اپنا رُخ سیدھا کرلو، اور میرے ساتھ آؤ۔(۳)

''بحرِ زخار''میں اتنا اضافہ ہے کہ انھوں نے اپنی اہلیہ سے یہ بھی فرمایا کہ: ''اگر مقدور رفاقت من داری از خویش وقبیلہ درگذر وکنیز کان را براہِ خدا آزاد کن۔'' (یعنی اپنے نفس اور خاندان ان دونوں سے دست کش ہوجاؤ اور خادموں کو خدا کے راستہ میں رخصت کردو) اہلیہ نے یہ پیغام سن کر اتنا کہا کہ اور ساری باتیں مجھے بسرو

---

(۱) وقائع احمدی، جلد اول، ص:۱

(۲) وقائعِ احمدی وسیرت سید احمد شہیدؒ ودیگر مآخذ

(۳) تذکرۃ الابرار

چشم قبول ہیں لیکن پانی بھرنا تنہا میرے لئے بہت مشکل ہے، سید شاہ علم اللہؒ نے جواب میں کہلوایا کہ اس میں میں بھی شریک رہوں گا۔

اہلیہ گھر چھوڑ کر سید شاہ علم اللہؒ کے پاس آگئیں اور گھر میں جو کچھ بھی سامان تھا اس کے لئے اعلان کر دیا گیا کہ جس کو جس چیز کی ضرورت ہو لے لے۔ اہلیہ کا زیور بھی فقراء اور اہلِ حاجت کے گھرانوں میں تقسیم کر دیا گیا، دل تو ''متاعِ دنیا'' سے پہلے ہی خالی تھا اب ''در'' بھی اس سے خالی ہو گیا، اس کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ اب گھر میں کچھ نہیں ہے اہلیہ کے ساتھ اندر فروکش ہوئے،(۱) بھائی اور دوسرے رشتہ دار بہت ہمدردی کے ساتھ پیش آئے اور یہ دیکھ کر گھر بالکل خالی ہے ضروری سامان و اسباب لا کر رکھ گئے۔ سید شاہ علم اللہؒ نے جو کسی اور حال میں تھے اور ہجرت کا عزمِ محکم کر چکے تھے، اعلان کر دیا کہ جس کا جو جی چاہے سامان لے جائے، دیکھتے ہی دیکھتے ضرورت مند اور فقراء سب سامان لے گئے، چار مرتبہ بات یہی پیش آئی، وہ لوگ سامان لا کر دے گئے، اور دوسرے وقت سید شاہ علم اللہؒ نے بلا ادنیٰ تکلف یا افسوس کے اس کو تقسیم کر دیا، آخر کار سب اعزہ و اقربا مایوس ہو گئے اور یہ سمجھ گئے کہ ان کو کچھ دینا بیکار ہے، سید شاہ علم اللہؒ نے سامانِ سفر تیار کیا اور چند ہی روز کے بعد حرمین شریفین کی ہجرت کے ارادہ سے نصیر آباد سے روانہ ہو گئے، تمام بھائیوں، عزیزوں اور دوستوں نے بادیدۂ تر رخصت کیا اور نصیر آباد اس دولت اور سعادت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گیا۔(۲)

---

(۱) تذکرۃ الابرار

(۲) سیرت علمیہ و تذکرۃ الابرار

باب سوم

نصیر آباد سے رائے بریلی، دائرہ کا قیام، سفرِ حج اور تعمیر مسجد

پہلی منزل

نصیر آباد سے روانہ ہو کر جہان آباد پہنچے۔ جہان آباد رائے بریلی ہی کا ایک حصہ ہے جس کو وہاں کے رئیس نواب جہاں خاں (۱) نے اپنے نام پر آباد کیا تھا، نواب جہان خان سید شاہ علم اللہؒ کے مرید تھے، انھوں نے عرض کیا کہ اس موسمِ برسات میں متعلقین کے ساتھ کہاں کا قصد ہے؟ جواب دیا کہ بیت اللہ کا ارادہ ہے، انھوں نے عرض کیا کہ آپ برسات بھر یہیں قیام فرمائیں، برسات بعد میں انشاء اللہ آپ کو پہنچادوں گا، اس برسات میں ہرگز نہ چھوڑوں گا، سید شاہ علم اللہؒ نے ان کے پاسِ خاطر کے لئے برسات تک وہاں کا قیام منظور فرمالیا۔ (۲)

ایک بلند پایہ مجذوب سے ملاقات اور اقامت کا فیصلہ

جہان آباد میں آپ کا معمول تھا کہ صبح منھ اندھیرے اٹھ کر دریائے سئی کے کنارے (جو وہاں سے قریب ہے) چلے جاتے اور یہ وقت عبادت اور دعا و مناجات میں گزارتے، اس جگہ کے قریب ایک مجذوب بزرگ شاہ عبد الشکور (۳) نامی رہا کرتے تھے اور ان اطراف میں ان کا بہت شہرہ تھا، سید شاہ علم اللہؒ ایک مرتبہ اپنے

---

(۱) جہان آباد کو نواب جہان خاں نے جو عہدِ شاہجہانی میں صوبہ دار تھے ۱۰۴۰ھ میں آباد کیا، وہاں اسوقت جو جامع مسجد ہے وہ نواب صاحب ہی کی تعمیر کردہ ہے (سیرت السادات از مولانا حکیم سید فخر الدین حسنیؒ)

(۲) وقائعِ احمدی باختصار۔

(۳) شاہ عبد الشکور عہدِ شاہجہانی کے ایک صاحبِ حال بزرگ تھے، اور جہان آباد کی فصیل سے متصل دریا کے قریب ان کی اقامت گاہ تھی، یہ اکثر و بیشتر برہنہ رہا کرتے تھے، جائس کے رہنے والے تھے، ان کی قبر دریا کے کنارے "تکیہ شاہ عبد الشکور" میں اب بھی موجود ہے، مؤرخین ان کو سلطان المجاذیب وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، باقی تفصیلات آگے ملیں گی۔

معمولات پورے کرنے کے بعد ان سے ملنے تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ بالکل وہی معاملہ پیش آیا جوان کے ایک مورث سید رکن الدینؒ کو خواجہ کڑک مجذوب (اصل نام سید احمد) کے ساتھ پیش آیا تھا۔

شاہ عبدالشکور برہنہ رہا کرتے تھے اور اپنے چند معتقدین کے ساتھ اسی حال میں بیٹھے تھے کہ اچانک عجلت کے ساتھ ایک چٹائی اپنے اوپر لپیٹ لی۔ یہ بات بالکل خلافِ معمول تھی، حاضرین نے تعجب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ: ''منئی آوت ہے، منئی آوت ہے'' یعنی آدمی آتا ہے، آدمی آتا ہے، انھوں نے عرض کیا کہ: ''ہم منئی نہیں ہیں'' فرمایا: ''نہیں''، عین اسی وقت سید شاہ علم اللہؒ وہاں پہونچ گئے۔

سید شاہ علم اللہؒ نے دیکھا کہ ایک بزرگ چٹائی لپیٹے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے کچھ آدمی ہیں، سلام کر کے بیٹھ گئے، شاہ عبدالشکور بہت گرم جوشی اور اخلاق سے ملے اور پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ سید شاہ علم اللہؒ نے کہا حرمین شریفین کا قصد ہے، شاہ عبدالشکور نے کہا کہ تم وہاں نہ جاؤ، یہیں رہو، سید شاہ علم اللہؒ نے نہ مانا اور ان کے بار بار اصرار کے باوجود بھی اس پر تیار نہ ہوئے، شاہ عبدالشکورؒ سے جب بھی ملاقات ہوتی وہ آپ کو ہجرت سے باز رکھنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ اسی شہر میں اقامت اختیار کرلیں اور اس کو وطن بنالیں، لیکن سید شاہ علم اللہؒ پر سفر کا اتنا تقاضا تھا کہ وہ اس پر غور کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔

جس روز قیام کا آخری دن تھا اور صبح آپ کو سفر کرنا تھا حسبِ معمول شاہ عبدالشکور سے ملاقات ہوئی (غالباً سید شاہ علم اللہؒ ان سے رخصت ہونے کے لیے گئے ہوں گے) شاہ عبدالشکور نے آپ سے کہا کہ آؤ کچھ دیر کے لئے دریا کی سیر کرآئیں، چلتے چلتے اس جگہ پہنچ گئے جس کو آج دائرہ شاہ علم اللہ کہتے ہیں (اور جس جگہ آپ کا مکان اور مسجد ہے) کہنے لگے کہ یہ تمھارا وطن اور اقامت گاہ ہے یہاں رہو

اور اپنے شیخ کی بات یاد کرو جو انھوں نے رخصت کرتے وقت کہی تھی، اب سید شاہ علم اللہؒ کو حضرت شیخ آدم بنوریؒ کا یہ قول یاد آیا کہ: ''جا سکتے ہو لیکن اگر کوئی مردِ خدا تمھیں کہیں روکے تو ٹھہر جانا'' فوراً اقامت کا فیصلہ کرلیا، (۱) اور ان سے کہہ دیا کہ بہتر ہے نہ جاؤں گا۔

وقائعِ احمدی میں ہے کہ انھوں نے سید شاہ علم اللہؒ کا ہاتھ پکڑ لیا اور مکان کے قریب لاکر کہنے لگے: ''ہم تم یہیں رہیں ایکی پار، لوگ جانے یہ یہ پار وے وہ پار'' (یعنی ہم تم اسی پار رہیں گے اور لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ اس پار ہیں اور وہ اس پار ہیں) (۲) اس کے بعد ایک خط مربع کھینچا اور کہا یہ مسجد بناؤ، پھر ایک خط مربع کھینچا اور کہا یہ اپنا مقبرہ بناؤ، اگر کوئی مَرے یہاں دفن کرنا، اس کے بعد سید شاہ علم اللہؒ کو دعا دی کہ حق تعالیٰ اس زمین کو تمھاری اولاد سے آباد کرے اور اچھے اچھے لوگ تمھاری اولاد سے پیدا کرے۔

شاہ عبدالشکور یہ کہہ کر اپنے مکان چلے گئے اور سید شاہ علم اللہؒ نواب جہان خاں کے پاس واپس آئے اور ان سے کہا کہ اب میرا ارادہ اسی جنگل میں دریا کے کنارے رہنے کا ہے، اس کے بعد اپنے خاندان کو ساتھ لے کر اس جگہ آئے اور طرحِ اقامت ڈال دی۔

مکان کی تعمیر

دولت خاں زمیندار لوہانی پور (لوہانی پور، دائرہ شاہ علم اللہؒ کے قریب جانبِ

---

(۱) وقائعِ احمدی و تذکرۃ الابرار

(۲) شاہ عبدالشکور صاحبؒ کا مقبرہ اسی پار ہے جس طرف سید علم اللہؒ کا مقبرہ ہے لیکن کچھ فاصلہ اور کچھ دریا کی کاٹ ایسی ہے کہ دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ اس پار ہے، راقم سطور کو وہاں جانے کا اتفاق ہوا اور بالکل یقین ہو گیا کہ مقبرہ دریا کے دوسری طرف ہے لیکن یہ روایت یاد آئی اور لوگوں نے تفصیل سمجھائی تو معلوم ہوا کہ ادھر ہی ہے، دیکھنے میں احساس یہ ہوتا ہے کہ اس پار ہے، ہوسکتا ہے کہ شاہ عبدالشکور کا اشارہ اسی بات کی طرف ہو، واللہ اعلم۔

مشرق ایک گاؤں ہے) نے جو سید شاہ علم اللہؒ کے معتقد تھے پختہ دس بیگھہ زمین سید شاہ علم اللہؒ کو نذر کی اور یہی زمین آگے چل کر "دائرہ شاہ علم اللہؒ" یا "تکیہ" کے نام سے مشہور ہوئی، ۱۰۵۰ھ میں مٹی اور پھوس کا ایک مکان جس کو جھونپڑا کہنا زیادہ صحیح ہوگا اور مٹی ہی کی ایک مسجد شاہ عبدالشکور کی بتائی ہوئی جگہ پر لبِ دریا تیار ہوگئی۔

"بحرِ زخار" میں ہے کہ اہلیہ کو تشویش ہوئی کہ اس ویران اور بے آباد جگہ میں سانپوں اور بھیڑیوں کی کثرت ہوگی، خدانخواستہ بچوں کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے، فرمایا کہ: اس معاملہ میں' میں نے جناب الٰہی میں دعا کی ہے اور وہ مستجاب ہوئی ہے۔

عسرت کی زندگی اور مجاہدات شاقہ

۱۰۵۰ھ سے لے کر ۱۰۷۵ھ تک ۲۵؍سال کا یہ عرصہ سخت عسرت، مجاہدات، نفس کشی اور فقر و فاقہ میں گزارا، لیکن شاہی دربار کی رنگینیاں دیکھے ہوئے اور عین آغازِ شباب میں شاہجہاں کے غیر معمولی انعامات و تحائف اور دربار کے تزک و احتشام کا نظارہ کیے ہوئے اس عاشقِ رسول، متبعِ سنت اور صاحبِ عزیمت بندہ کے پائے استقامت میں کبھی کوئی لغزش نظر نہیں آئی اور کسی معافی کو قبول کرنے، کسی جاگیر اور روزینہ کو منظور کرنے یا کسی دولت مند معتقد سے "ربطِ خاص" قائم کرنے کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔ درحقیقت یہ اس اتباع اور عزیمت اور اس قربانی اور خلوص کی برکت تھی جس کا مظاہرہ دربار چھوڑتے وقت، لشکرگاہ میں دو سال گزارتے وقت اور نصیر آباد سے ہجرت کرتے وقت ہوا تھا اور جس نے ان سے کہلوایا تھا کہ: "ایک دل میں دو چیزوں کی محبت جمع نہیں ہوسکتی"

یا خانہ جائے رخت بود یا سرائے دوست

اس ضمن کے دوسرے واقعات اور حالات کا ذکر اپنے موقع پر کیا جائے گا۔ جہاں تک ان کی مجاہدانہ اور فقیرانہ زندگی کا تعلق ہے اس کی وقیع اور معتبر شہادت

''بحرزخار'' سے ملے گی جس میں صرف ان کے چودہ سال کے مجاہدات کا ذکر ہے:

''تا چہادہ سال لقمۂ حلال دانستہ بیشتر اوقات از شکارِ ماہی و اثمارِ گولرِ خام و گوکھر و جوش دادہ خوردے، و در اہلِ خانہ وعیال و اطفال را نیز ہمیں غذا مقرر بود و از خاصہ در تقسیمِ طعام کہ مجاہدہ مرعی داشتہ او تسویہ تقسیم درمیانِ صغیر وکبیر، پیر و جوان وعبد و مولا و مقیم و مسافر از عہدے در سلف تا خلف بہ عمل نیامدہ، و مردے نگشتہ کہ در مقدار و در اقسامِ طعام از نفیس وکثیف اصلاً تفاوت بہ میان نیاوردے، چون بہ مدینہ طیبہ رفت بہ نہجیکہ در اتباعِ سنتِ نبوی ﷺ دقیقے نامرعی نہ گزاشتہ۔(۱)

(۱۴ ر سال تک اکلِ حلال کی فکروجستجو میں زیادہ تر مچھلی کے شکار اور کچے گولر اور گوکھرو اُبال کر کھالیا کرتے تھے، اہل خانہ اور فرزندوں کے لیے بھی یہی غذا مقرر تھی، تقسیمِ طعام میں چھوٹے بڑے، پیر و جوان، آقا و غلام، مقیم و مسافر کسی میں تفریق نہ کرتے تھے اور اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ شاید سلف سے خلف تک کسی نے اس پر عمل نہ کیا ہو اور کوئی مرد ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ کھانے کی مقدار یا اس کی اچھائی اور بُرائی اور کثافت و لطافت میں تفاوت کو راہ نہ دے، جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس طرح زندگی گزاری کہ سنتِ نبوی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔)

دسترخوان کی اس مساوات کا ذکر دوسرے حوالوں سے بھی ثابت ہے اور اس کی بعض قابلِ ذکر باتیں اپنی اپنی جگہ آئیں گی، بہرِ حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ

---

(۱) بحرِ زخار (منتخب)

پورا دور عسرت اور مجاہدات کا دور ہے، صاحبِ استطاعت اہلِ تعلق میں سے اگر کوئی ہدیہ پیش کرتا یا کوئی چیز لاتا تو اس کو اکثر قبول نہ کرتے تھے اور صرف اس کی چیز قبول کرتے تھے جس کا عمل، مصنف ''بحرِ زخار'' کے الفاظ میں ''سنت سے سرِ مو متجاوز'' نہ ہو، لیکن یہ بات جو سید شاہ علم اللہؒ میں محض فضلِ الٰہی اور توفیقِ خداوندی(۱) اور ان کے اخلاص و قربانی و نفس کشی کی بدولت پیدا ہوئی تھی، ہر کس و ناکس میں کہاں ہوسکتی تھی، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان ہدایا کا عدم و وجود برابر تھا اور ان سے ان کو کوئی مدد نہیں ملتی تھی۔

درحقیقت یہ صرف چودہ سال یا پچیس سال کی بات نہ تھی؛ بلکہ ان کی پوری زندگی اسی عزیمت و توکل اور اسی اتباعِ سنت کا نمونہ تھی اور اس میں شروع سے آخر تک یہی رنگ برقرار رہا۔

سید شاہ علم اللہؒ کے سفرِ ہجرت کے فسخ میں جو مصالح تھے اس کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ سالہا سال تک اس شب و روز کے مجاہدہ اور عزیمت کی زندگی کے بعد جو انوارِ سنت سے معمور تھی بارگاہِ نبوی میں حاضری کا مزہ ہی کچھ اور تھا، زمین تیار تھی اور بس اس کی دیر تھی کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آئے اور ابرِ رحمت اس کو اس طرح سرسبز و شاداب کردے کہ پھر اس پر کبھی خزاں نہ آئے اور یہ شادابی نسلوں اور صدیوں تک برقرار رہے،

ادھر بھی ''ابرِ رحمت'' آئے اور جم جم کے یوں برسے
کہ ہو سرسبز کھیتی ہم غریبوں بدنصیبوں کی

---

(۱) خواجہ کڑک جن کا ذکر سید رکن الدین کے تذکرہ میں گزرا ہے، ایک مرتبہ اپنے جذب و حال میں سید رکن الدین سے ایسی بات کے طالب ہوئے جو شریعت کے خلاف تھی، قاضی سید رکن الدین (نبیرہ سید قطب الدین محمد الحسنیؒ) جو ایک متبعِ سنت شیخِ وقت اور قاضئ شہر تھے وہ بھلا اس بات کو کس طرح قبول کرتے، انھوں نے انکار کیا، دوسرے وقت خواجہ مجذوب نے ان سے کہا کہ: نصیبِ شما از کاسۂ خدا است......''۔ درحقیقت سید شاہ علم اللہؒ کا حصہ اسی ''کاسۂ خدا'' سے تھا اور یہ وہ چیز ہے جس کا اندازہ کسی دوسرے پیمانہ سے نہیں کیا جاسکتا۔

پہلا سفرِ حج

سید شاہ علم اللہؒ کا پہلا سفرِ حج جہاں تک معلومات ہیں ۱۱۷۵ھ میں ہوا، اس سفر میں ان کے ہمراہ ۲۲/آدمی تھے، ''زاد وراحلہ'' سے بے نیاز اور محض فضل الٰہی کے بھروسہ پر یہ قافلہ آمادۂ سفر ہوا، روانگی کے وقت ایک مخلص نے ایک معمولی رقم پیش کی اس کو بھی گھر بھجوا دیا، اور اللہ کا نام لے کر یہ قافلہ شوق وذوق کے ساتھ پیادہ پا اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگیا، ساحلِ سمندر پر پہنچنے کے بعد (جو غالباً سورت کی بندرگاہ تھی) جہاز کے امیر البحر، ملّاح اور دوسرے ذمہ داروں نے شاید ان کے اخلاقِ کریمانہ اور طرزِ زندگی کو دیکھ کر بلا معاوضہ سب کو سوار کر لینے کی پیش کش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے کہیں سے انتظام فرما دیا اور سید شاہ علم اللہؒ نے پہلے ۲۲/روپیہ فی کس ادا کر دیئے، اس کے بعد جہاز پر چڑھے۔

پورے سفر میں (اور دورانِ قیام میں بھی) اسی طرح غیب سے انتظامات ہوتے رہے اور سب لوگ بعافیت حجاز پہنچ گئے، مناسکِ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ طیبہ کا قصد کیا، لیکن یہ سوچ کر کہ اس مقدس سرزمین پر جس کی قسمت رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم سے بار بار جاگی ہے، جوتے پہن کر چلنا خلافِ ادب اور آئینِ محبت کے منافی ہے، مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ تک پورا سفر ننگے پیر طے کیا۔(۱)

جب مدینہ منورہ کے قریب پہونچے اور گنبدِ خضراء کی ایک جھلک نظر آئی تو بیساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا، ؎

دنت عن ناظری تلك الخيام

على سكانها منى السلام

---

(۱) مہر صاحب نے ''سید احمد شہید'' میں لکھا ہے کہ رائے بریلی سے سورت تک بھی ادباً انھوں نے ننگے پاؤں سفر کیا لیکن تذکرۃ الابرار میں رائے بریلی سے سورت تک (یا جو بھی بندرگاہ رہی ہو) ''پیادہ پا'' کا ذکر ہے ''برہنہ پا'' کا نہیں۔ البتہ اس کی صراحت موجود ہے کہ مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ تک کا سفر ننگے پیر کیا گیا۔

نگاہِ کرم

مواجہہ شریف کے پاس پہنچے اور السلام علیک یارسول اللہ تو اندر سے آواز آئی وعلیک السلام یا ولدی، نگاہِ کرم کو متوجہ پا کر دل کھول کر رکھ دیا، برسوں کی حسرتیں اور تمنائیں پوری ہوئیں اور ہر طرح کے انعامات وعنایات سے سرفراز ہوئے۔(۱)

اتباعِ سنت کا اہتمام

اپنے مصارف کے لیے حسبِ معمول کسی کے احسان کے روادار نہ ہوئے، لکڑیاں کاٹ کاٹ کرلاتے تھے اور ان کو فروخت کر کے اپنے اخراجات پورے کرتے تھے، اس سے زیادہ قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ سنت اور اسوۂ صحابہؓ کی پیروی میں اس قدر جان ودل سے کوشاں تھے کہ جس گلی اور جس راستہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ لکڑیاں اپنے سر پر لائے تھے اور جس بازار میں ان کو فروخت کیا تھا اسی جگہ سے لکڑیاں لائے اور اسی بازار میں فروخت کیا، اسی طرح جس بازار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ نے کپڑے فروخت کیے تھے ان کی اتباع میں تھوڑے سے کپڑے حاصل کیے اور برکت کے لیے اسی بازار میں جا کر فروخت کیا۔(۲)

تنہا اسی واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کی مدینہ منورہ کی زندگی کس قدر زہد واحتیاط، اتباعِ سنت اور عشق ومحبت کی زندگی تھی اور وہ معمولی معمولی اور روزمرہ کی باتوں میں بھی ''علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین'' پر کس طرح عمل پیرا تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے زہد وتقوی کو دیکھ کر مشائخِ حرمین کہنے لگے کہ ھذا کابی ذر (یہ تو ابوذر غفاریؓ کا نمونہ ہیں)۔(۳)

---

(۱) تذکرۃ الابرار وسیرتِ علمیہ
(۲) بحرِ زخار (منتخب)
(۳) تذکرۃ الابرار وبحرِ زخار

مقامِ عزیمت

لیکن ایک واقعہ اور ہے جو تاریخ کی سلوٹوں میں اس طرح دب گیا ہے کہ اکثر تذکرہ نگاروں کی نظر اس نہیں پڑسکی، راقمِ سطور کے نزدیک اس میں سید شاہ علم اللہؒ کا ایک بڑا کمال پوشیدہ ہے اور اس سے ان کی سیرت کا ایک اہم پہلو ہماری نظروں کے سامنے آتا ہے۔

خواجہ محمد امین بدخشی جو حضرت سید آدم بنوریؒ کے مجاز و مقرب اور سید شاہ علم اللہؒ کے پیر بھائی اور ان کے از حد مداح وثنا خواں ہیں،(۱) اور جو سید شاہ علم اللہؒ کی حضرت سید آدمؒ سے بیعت کے وقت نہ صرف موجود تھے؛ بلکہ اس وقت ان کی مجلسوں میں شریک اور معارف وکمالات میں ان کے محرمِ راز تھے، وہ لکھتے ہیں کہ ۱۰۷۵ھ میں میں نے مکہ معظّمہ میں ان سے ملاقات کی لیکن انھوں نے اپنے احوال کا کچھ بھی ذکر نہ کیا۔

درحقیقت یہ وہ مقام ہے جہاں بڑوں بڑوں کا قدم پھسل جاتا ہے اور وہ چیز ہے جو اولیاء کے قلوب سے بھی سب کے آخر میں نکلتی ہے۔

خواجہ محمد امین سے ۲۵/ برس کے بعد ملاقات ہوئی ہے، یہ ۲۵/ برس مجاہدات سے بھرے ہوئے ہیں، پھر حج کا سفر اور اس کے واقعات، سلام کا واقعہ اور اپنے عجیب غریب معمولات، احوال وکیفیات اور منازل ومقامات کا ایک طویل سلسلہ ہے، ایسے موقع پر آدمی کے منھ سے کچھ نہ کچھ ضرور نکل جاتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب صاحبِ تعلق اور اس کا اہل بھی۔

لیکن سید شاہ علم اللہؒ اپنے کمالات وخوارق اور حالات وکیفیات کا ذکر تو کیا کرتے انھوں نے کسی حیثیت سے بھی اپنا ذکر پسند نہیں کیا اور جو قابلِ رشک حالات

---

(۱) ان کے اقتباسات دوسری جگہ آئیں گے۔

اُن کواس ''راہِ طلب'' میں پیش آرہے تھے اس میں اتنی آمیزش بھی (اگر اس کو آمیزش کہا جاسکتا ہو) گوارا نہ کی۔

درحقیقت یہ آخری درجہ کی فنائیت، اعلیٰ درجہ کی عزیمت، سچی محبت، عالی ظرفی اور خدا کے فضلِ خاص کی علامت ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں ہر باکمال اور صاحبِ احوال کی رسائی نہیں ہوسکتی، الا ماشاء ربک۔

دوسرا حج اور مسجد کی نئی تعمیر

سید شاہ علم اللہؒ نے دوسرا حج تقریباً ۱۰۸۲ھ میں کیا، اس کی کچھ تفصیلات کتابوں میں نہیں ملتیں، اتنا ثابت ہے کہ اس مرتبہ واپسی پر اپنے ساتھ ایک کاغذ پر حرم کا نقشہ کھینچ کر لائے، اس کے ایک سال بعد ۱۰۸۳ھ میں کعبۃ اللہ کی پیمائش کے مطابق سئی ندی کے بالکل کنارے اپنے مسکن کے پاس مسجد کی تعمیر کی، اس کی بنیادوں میں آبِ زمزم ڈالا اور طول وعرض اور ساخت ہر چیز میں ادب کے خیال سے چند انگل کم رکھا، روشنی کے لیے اس کے چاروں طرف تین تین دروازے بنائے اور چاروں طرف مطاف کی طرح فرش بھی بنایا، ؎

زہے پر فیض آں مسجد مکرم
دہد از کعبۃ اللہ یاد ہر دم

''مہرِ جہاں تاب'' میں ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ واپسی میں اپنے ساتھ مکہ معظّمہ سے ایک پتھر بھی لائے تھے جو تعمیر کی بنیاد میں رکھا اور اس کی تعمیر میں معماروں کے ساتھ خود بھی شریک ہوئے اور اپنی اولاد کو بھی شریک کیا ''وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسماعيل، ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.''(۱)

(۱) مہرِ جہاں تاب، ص: ۷۔۳۶۔ قبلۂ ثانِ مسجد کی تاریخِ تعمیر ہے جو مسجد کے جنوبی دروازہ پر کندہ ہے۔

باب چہارم

اتباعِ سنت اور عزیمت

سید شاہ علم اللہؒ کی سیرت کا سب سے اہم جوہر

سید شاہ علم اللہؒ کی سیرت کا سب سے جلی عنوان اتباعِ سنت اور عزیمت ہے، اس باب میں انھوں نے جو انتہائی کمالات حاصل کیے اور اس میں جن لطافتوں اور نزاکتوں کو ملحوظ رکھا اور زندگی بھر جس ثابت قدمی کے ساتھ اس پر عمل پیرا رہے، اس کی نظیر نہ صرف عہدِ عالم گیر میں بلکہ اس کے بعد کی صدیوں میں بھی نہیں ملے گی، یہ دو ایسے جوہر ہیں جنھوں نے ان کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بہت قابلِ رشک اور منفرد حیثیت عطا کی ہے اور اس کا ہماری تاریخ کے وقار اور اس کی جمال آرائی میں بہت بڑا اور ناقابلِ فراموش حصہ ہے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ سنت میں جو انوار و برکات ہیں اور سنت کے ذریعہ آدمی جو کمال اور تقرب حاصل کر سکتا ہے وہ کسی اور ریاضت، مجاہدہ، سلوک اور تربیت سے ممکن نہیں، ان کا مسلک اس عقیدہ کے عین مطابق اور ان کی پوری زندگی اس بات کی مجسم اور ناقابلِ انکار شہادت تھی کہ اس بازار میں سب سے قیمتی جنس اور وصول الی اللہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہر وقت، ہر عہد اور ہر ملک میں اور عبادات و معاملات سے لے کر روزمرہ کی زندگی کی تفصیلات تک میں اتباعِ سنت اور عزیمت پر عمل ہے، اور اس کے ذریعہ سالوں کی مسافت مہینوں میں، مہینوں کی دنوں میں اور دنوں کی لمحوں میں طے ہو سکتی ہے۔

قابلِ ذکر بات بلکہ جانِ سخن یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں صرف آسان سنتوں پر عمل کرنے (جن کا تعلق ایثار وقربانی اور مجاہدہ سے زیادہ نہیں ہے) ہی کے قائل نہ تھے، بلکہ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کرنے اور ہر قسم کے فوائد سے دست بردار ہونے پر تیار تھے، انھیں جس طرح وضو کے سنن ومستحبات کا خیال تھا، اسی طرح اس راہ میں فقر وفاقہ برداشت کرنے، راہِ حق میں مصیبتیں اٹھانے اور تکلیفیں جھیلنے، فائدہ میں اپنے اہل وعیال کو سب سے پیچھے رکھنے اور نقصان میں سب کے آگے رکھنے اور بایں مرتبہ ومشیخت خود اپنے ہاتھ سے اپنا کام کرنے، لکڑیاں کاٹنے، پانی بھرنے، یتیموں اور بیواؤں کا سامان خریدنے اور خود لے کر ان کے گھروں تک پہنچانے کا بھی خیال تھا، اور یہ دونوں سنتیں وہ یکساں ذوق وشوق اور اہتمام اور پابندی کے ساتھ انجام دیتے تھے۔

خاندان کے رسم ورواج اور بعض وقت ہندوستان کے دینی ماحول کے خلاف بھی (جس میں بہت سی چیزیں خلافِ سنت داخل تھیں، اور مدرسہ وخانقاہ کسی جگہ ان کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا) سید شاہ علم اللہؒ نے عزیمت اور پیروئ سنت کی جو مثال قائم کی ہے وہ خواص وعوام دونوں کے لیے روشنی کا مینار ہے۔

اس کے ساتھ ان کا زہد وتقوی، کمال احتیاط، ان کا تعلق مع اللہ اور روحانی وباطنی کمالات، ان کی تاثیر وقوتِ تسخیر، ان کی نورانیت وبرکت، ان کا فیضِ صحبت وفیضانِ معرفت، اہل دل مشائخِ وقت اور نامور علماء واہلِ درس میں ان کی محبوبیت وعظمت، ان ساری باتوں نے ان کو اپنے معاصرین میں ایک ممتاز اور مخصوص جگہ عطا کی ہے، لیکن درحقیقت یہ سب اسی جمالِ نبوی کا پرتو اور اسی سنتِ نبوی کا عکس ہے جو ان کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر اور سب سے بڑا امتیاز ہے اور جس نے ان کو قبولیت ومحبوبیت کی یہ خلعت فاخرہ عطا کی ہے۔

ایک اہم شہادت

خواجہ محمد امین بدخشی ''نتائج الحرمین'' میں شاہ صاحب کے ایک فیض یافتہ شیخ عبدالحکیم سیالکوٹی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''حضرت میر سید علم اللہؒ کہ حضرت آدم بنوریؒ کے خلفاء میں نہایت متقی، کامل العلم والاحوال بزرگ ہیں، نسباً حسنی الحسینی ہیں، ان کا ظاہر و باطن کمال اتباعِ سنت سے آراستہ اور ان کی ساری زندگی اور تمام اوقات سنن و مستحبات سے معمور ہیں، اور وہ خود اور ان کے تمام پیرو ہمیشہ فقر و فاقہ سے گزر کرنے والے دنیا کی بو بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتے، ہندوستان اور عرب میں بھی ان کے تقوی اور استقامت کا غلغلہ ہے، اکثر مشائخ کو ان کا تقوی اور ریاضت واستقامت دیکھ کر رشک آتا ہے، اور حسرت ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ دیکھو مقبولانِ ازلی کو اللہ کی طرف سے ایسی استعداد اور قابلیت نصیب ہوتی ہے، اپنے دوستوں، رفیقوں اور فرزندوں میں بھی ان کا عمل عزیمت ہی پر ہے، اپنے بیٹوں اور جاننے والوں میں سے کوئی اگر کسی مباح یا رخصت پر عمل کرے تو اس سے ناراض ہوجاتے ہیں اور اگر نعوذ باللہ کسی سے کوئی بدعت کا فعل سرزد ہوجائے تو اس سے اس درجہ بیزار ہوجاتے ہیں کہ اس کا منھ دیکھنے کے روادار نہیں ہوتے جب تک وہ از سرِ نو تائب و متقی نہ ہوجائے۔''

فقراء اور فرزندوں پر اور گھر کے اندر اور باہر کھانے کی تقسیم مساوی طور پر کرتے ہیں، جو عمل بھی سنت یا مستحب ہے اس سے ذرا تجاوز

نہیں کرتے، ایک رسالہ ''قوت العمل'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے، جوامر بالمعروف اور ایسے بہت سے حقائق و معارفِ الٰہیہ پر مشتمل ہے کہ عارفین کے سوا ہر شخص کماحقہ نہیں سمجھتا، اپنے احوال کا بہت اخفاء فرماتے ہیں اور اپنی عاجزی اور شکستگی ظاہر کرتے ہیں، اکثر لوگ ان کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ شاید صحابہ کرام ایسے ہی ہوں گے، پابندِ شرع دوستوں اور طالبین کے ساتھ بڑی خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے ہیں۔"وإنك لعلى خلق عظيم" کی متابعت کا پرتو آپ میں بہت نمایاں ہے۔''

شیخ عبدالمجید ابدال (شاہ صاحب کے ایک معاصر بزرگ) فرماتے تھے کہ اتباعِ سنت اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں سید علم اللہ صاحبؒ کی مثال اس زمانہ میں نہیں ہے اور سلف میں بھی خاص خاص لوگ اس درجہ کے ہوئے ہیں، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی فرزندی کے علاوہ آپ کی محبوبیت بھی حاصل ہے، آپ کی اس مقبولیت اور محبوبیت کے بہت سے واقعات اور رویائے صادقہ کتابوں میں مذکور ہیں۔(۱)

شیخ عبدالحکیم اپنے زمانہ کی شہادت لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

''دریں زمانہ مشہور است کہ ہم چنیں استقامت در شریعت و طریقت و مطابقتِ سنت کم کسے خواہد بود الا ماشاء اللہ۔''(۲)

صاحبِ ''احسن القصص'' اپنا تاثر لکھتے ہیں:

''چندے کہ او در امور اجرائے شریعت و اعلاء اوامر و نواہی بجا آوردہ زمانہا است کہ تحریر قلم یاد ندارد''۔(۳)

---

(۱) سیرت سید احمد شہید از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ص:۶۳

(۲) ایضاً

(۳) بحرِ زخار (منتخب)

سید شاہ علم اللہ کے شب وروز

سید شاہ علم اللہؒ کے شب وروز کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو کسی سنت یا مستحب سے خالی ہو یا اس کے بغیر گزر جاتا ہو،

نا خوش آں وقتے کہ بر زندہ دلاں بے عشق رفت
ضائع آں روزے کہ برمستاں بہ ہشیاری گرفت

وہ ہر معاملہ میں رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل پیرا تھے، اور اس کی کوشش کرتے تھے کہ سونے جاگنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، اور کھانے پینے، ملنے جلنے ہر چیز میں ان کا عمل سنت رسول کے مطابق اور اس کے انوار و برکات سے معمور ہو، اس میں ان کو کسی تکلیف یا تکلف کی ضرورت نہ تھی؛ بلکہ یہ ان کی روح و دل کی غذا بن گئی تھی اور جس طرح مچھلی پانی کے بغیر یا انسان ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، اسی طرح ان کے لئے پیروئ سنت کے بغیر زندہ رہنا مشکل تھا۔

عبادات میں سنن کا لحاظ اور نوافل کی کثرت پھر بھی آسان ہے اور بہت سے مشائخ وصوفیہ شب بیداری اور کثرتِ عبادت میں ایسے ممتاز تھے کہ زمانہ قدیم میں بھی اس کی مثالیں خال خال ملیں گی، اور ان کے اذکار و اشغال اور عبادات و معمولات کی مقدار اتنی زیادہ تھی کہ اس کم ہمتی اور عافیت طلبی کے دور میں لوگوں کو شاید یقین نہ آئے، لیکن ایک جلیل القدر شیخ اور مرجعِ خاص و عام کے لیے اپنے چھوٹوں کو سلام کرنا، جھاڑو دینا، پانی بھرنا، گھر کے کام کاج میں اہلِ خانہ اور خدام کے ساتھ شریک ہونا، مریدین واہلِ تعلق کی موجودگی میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لانا، سر پر بوجھ اٹھانا، اور دوسروں کا سامانِ ضرورت خرید کر خود ان کے گھر پہنچا دینا بہت مشکل اور سخت امتحان و آزمائش کی بات ہے۔

سید شاہ علم اللہؒ نے اس میدان میں جو کمالات حاصل کیے وہ بلاشبہ ان کی

زندگی کا روشن ترین باب اور ہماری تاریخ کا ایک تابناک صفحہ ہے جس کو کوئی تذکرہ نگار یا مؤرخ نظر انداز نہیں کرسکتا۔

خدمت ومساوات

سید شاہ علم اللہؒ میں خدمت کا یہ جذبہ بچپن سے موجود تھا، وہ کسی کی خدمت قبول کرنے کے بجائے خود اس کی خدمت پر کمربستہ رہتے تھے، یہ جذبہ ان کی زندگی کے آخری ایام تک نہ صرف کارفرما رہا؛ بلکہ مرورِ ایام کے ساتھ اور زیادہ طاقت ور ہوتا گیا۔

مصنف ''سیرتِ علمیہ'' لکھتے ہیں:

> ''وہ جھاڑو دینے، پانی بھرنے اور کھانا پکانے میں خادمانِ خانہ کے ساتھ شریک ہوتے تھے، کام آسان ہو یا مشکل، نہ کسی کی مدد طلب کرتے تھے اور نہ کسی سے کام کرواتے تھے؛ بلکہ خود کام شروع کردیتے تھے، دوست و اہلِ تعلق یہ دیکھ کر ان کا ہاتھ بٹاتے اور ان کے کام میں شریک ہوجاتے، چنانچہ تعمیرِ مسجد میں انھوں نے پورا حصہ لیا، اس کے لیے زمین کھود کر روڑی نکالتے اور معماروں کے ساتھ کام میں شریک رہتے۔''

ایک مرتبہ ایک سیلاب کے بعد ایک مخلص نے حویلی کی کرسی بلند کرنے کے لیے پانچ سو روپیہ بھیجے، آپ نے صاحبزادوں اور ساتھیوں سے فرمایا یہ رقم آئی ہے، چاہے مزدوروں سے کام لیا جائے اور ان کو مزدوری دی جائے، چاہے تم خود محنت کرو اور مزدوری لے لو، سب نے اسی کو منظور کیا۔ سید شاہ علم اللہؒ بہ نفسِ نفیس اپنے فرزندوں کے ساتھ پھاوڑا چلانے، زمین برابر کرنے، اور سطح بلند کرنے میں شریک ہوئے اور دن بھر محنت کرتے رہے۔(۱)

---

(۱) سیرت سید احمد شہید، از مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

شیخ عبدالرحمٰن جو سید شاہ علم اللہؒ کے خواص میں تھے کہتے ہیں کہ میں نے خود دیکھا کہ ''شاہ صاحب کلہاڑی وغیرہ لے کر اپنے گھر سے نکلے، کچھ دوست ساتھ تھے، جنگل گئے، سب نے مل کر لکڑیاں کاٹیں، سب نے اپنے سر پر لادا اور خانقاہ واپس آئے۔''(۱)

سید شاہ علم اللہؒ کا دسترخوان

سید شاہ علم اللہؒ کے دسترخوان کی مساوات کا ذکر ایک جگہ گزر چکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس کی تفصیلات حیرت انگیز ہیں اور ان سے اس احتیاط و عزیمت اور اتباعِ سنت کا اندازہ ہوتا ہے جس سے شاہ صاحب آراستہ تھے۔

کھانے میں خاص و عام، بڑے چھوٹے یا گھر اور باہر کی کوئی تفریق نہ تھی، بلکہ ایک ہی کھانا اہل وعیال اور مہمان دونوں کے لیے پکتا تھا، اس کے لیے ایک پیمانہ مقرر تھا، جس سے ہر شخص کی خوراک کا بآسانی اندازہ ہو جاتا تھا اور کمی بیشی کا اندیشہ نہ رہتا تھا، احتیاط و مساوات کی حد یہ تھی کہ اگر کبھی پھل وغیرہ آجاتے اور وہ اتنے نہ ہوتے کہ سب میں برابر تقسیم کیے جاسکیں تو ان کا عرق نچوڑ کر سالن میں ڈال دیتے، تاکہ سب کو اس کا حصہ پہنچ جائے، اگر تربوز یا خربوزے آتے تو ان کو بلا کاٹے ہوئے تقسیم نہ کرتے تھے، اس لیے کہ کسی کے حصہ میں صرف میٹھے آجائیں اور کسی کے حصہ میں صرف پھیکے، بلکہ ہر پھل کاٹ کر ایک بچہ کو چکھاتے تھے اور اس کے کہنے کے مطابق میٹھے پھل الگ اور پھیکے علیحدہ رکھ دیے جاتے تھے، پھر برابر تول کر سب بھائیوں، عزیزوں اور اہلِ تعلق کو تقسیم کیے جاتے(۲)، جن ماؤں کے شیر خوار بچے ہوتے تھے ان کو عام طور پر خشک رسد دے دیتے تھے تاکہ اپنی ضرورت کے مطابق استعمال میں لاسکیں اور کسی دشواری میں نہ پڑیں، البتہ فاقہ کے دنوں میں (جس کا اتفاق بہت ہوتا تھا) پکا

---

(۱) سیرتِ علمیہ (۲) تذکرۃ الابرار و سیرتِ علمیہ و دیگر مآخذ

ہوا کھانا دیتے تھے؛ تا کہ ماں کے دودھ میں کمی نہ ہواور بچہ بھوکا نہ رہ جائے۔

اسی طرح ایک وقت میں دوطرح کا سالن نہیں کھاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا نہیں کیا، بلکہ دوسالن کبھی پکوائے بھی نہیں جاتے تھے۔

اگر کوئی وفد یا کوئی مہمان آجاتا تو تین روز اس کی ضیافت ضروری سمجھتے اور اس ضیافت میں بڑے چھوٹے اور گھر کے سب افراد شریک ہوتے، مخصوص کھانا بلا کسی عذر اور ضرورت کے کبھی نہ پکواتے، کھانا ہمیشہ سنت کی مطابقت میں تین انگلیوں سے کھاتے تھے۔

''سیرتِ علمیہ'' میں ہے کہ شیخ محمد افضل الہ آبادی نے (جو خود ایک عالم ربانی اور شیخ تھے) سید شاہ علم اللہؒ کے دسترخوان کا حال سن کر ارادہ کیا کہ اپنے ہاں بھی اسی مساویانہ تقسیم کا رواج ڈالیں، لیکن بات کہنے میں جتنی آسان تھی عمل میں اتنی ہی دشوار تھی، اپنے فرزندوں اور جگر کے ٹکڑوں اور اغیار و بیگانوں میں کسی موقع پر اور کسی معاملہ میں بھی کوئی تفریق نہ کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، اس پر وہی عمل کر سکتا ہے جس کی نگاہِ بصیرت میں خویش و اغیار سب برابر ہو گئے ہوں اور غلبۂ توحید نے اس کو اس مقام تک پہنچا دیا ہو، آخر کار دسترخوان کا یہ نقشہ ان کے ہاں قائم نہ رہ سکا، شیخ محمد افضلؒ فرمایا کرتے تھے کہ: ''لوہے کے چنے چابنے کے لئے دانت بھی فولاد کے چاہئیں'' یہ مجاہدہ سید شاہ علم اللہؒ صاحب ہی کے ساتھ مخصوص ہے کوئی دوسرا اس میں ان کی برابری نہیں کر سکتا۔(۱)

لیکن دسترخوان کے بار بار ذکر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ سید شاہ علم اللہؒ کے ہاں بہت فارغ البالی تھی، ''مخزن احمدی'' میں ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ نے بارہا دعا فرمائی تھی کہ وہ زخارفِ دنیا میں گرفتار نہ ہوں، اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی پوری زندگی میں

(۱) سیرتِ علمیہ و تذکرۃ الابرار و دیگر مآخذ

بکثرت فاقہ کے واقعات پیش آتے رہے اور فاقہ ان کے نام کے ساتھ اس طرح ضرب المثل ہوگیا تھا کہ اگر خاندان میں کسی کے ہاں فاقہ ہوتا تو یہ کہا جاتا کہ آج ان کے گھر میں شاہ علم اللہ صاحبؒ تشریف لائے ہیں۔

اسی کے ساتھ برکت کے واقعات بھی بکثرت پیش آتے تھے۔ اگر مہمان آجاتے تھے تو سیر ہو کر کھاتے تھے اور کوئی نہ کوئی صورت ان کے لئے غیب سے پیدا ہو جاتی تھی۔

ایک وفد کی ضیافت

ایک مرتبہ دو تین روز کے فاقہ کے بعد تقریباً چالیس آدمیوں کے لئے کھانا تیار ہوا اچانک سید شاہ علم اللہؒ کے بعض کبار خلفاء مثلاً شیخ فتح محمد انبالوی و شیخ محمد خورجوی و شیخ محمد عبد الحلیم شاہ جہاں پوری (۱) ۸۰ر آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ سید شاہ علم اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کو دیکھ کر سید شاہ علم اللہؒ نے فرمایا کہ جتنا کھانا بچا ہے اس کا نصف گھر بھجوا دیا جائے اور باقی یہاں ایک بڑے طشت میں لے آیا جائے، اس پر عمل کیا گیا اور بیس آدمیوں کا کھانا سو آدمیوں کے لیے کافی ہو گیا، فراغت کے بعد جب دیکھا گیا تو معلوم ہوتا تھا کہ اس طشت میں سے کچھ لیا ہی نہیں گیا ہے۔

فاقہ کے ساتھ یہ روزمرہ کے واقعات تھے جو اس دسترخوان پر پیش آتے رہتے تھے لیکن فاقہ ہو یا دعوت، ہر حال میں سنت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا، اور یہ گوارا نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ادنی سنت کسی بڑی سے بڑی وجہ سے فوت ہو۔

مجاہدہ کی یکساں زندگی

خواجہ محمد امین بدخشی نے علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی کے حوالہ سے "نتائج

---

(۱) سید شاہ علم اللہؒ کے خلفاء کا تذکرہ کتاب کے آخر میں انشاء اللہ آئے گا۔ سیرتِ علمیہ بہ روایت سید محمد نور فرزند سید شاہ علم اللہؒ

الحرمین'' میں لکھا ہے کہ: ''اکثر مشائخ سلوک کی ابتدا میں ریاضتیں کر کے آخر میں فارغ اور سبکدوش ہو جاتے ہیں، لیکن شاہ صاحبؒ نے اول روز سے تنگی وسختی وفقر کو راحت سمجھ کر اور فقر وفاقہ کو سنت کی پیروی میں جو اختیار کیا تو آخر تک اس میں ذرا فرق آنے نہیں پایا اور لذاتِ دنیاوی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔(۱)

صاحبِ ''بحرِ زخار'' نے ان کے تذکرہ میں حسبِ ذیل الفاظ لکھے ہیں:

''مجاہداتیکہ ازان یگانۂ زمانہ در باب نفرت دنیا باتباعِ طریقۂ نبویہ بظہور آمدہ بعد از صحابہ کرام اور دیگر اولیائے امت متأخرین کمتر یافتہ شود۔''

صاحبِ ''بحرِ زخار'' دوسری جگہ مصنف ''احسن القصص'' کی شہادت پیش کرتے ہیں:

''جہادے کہ در ریاضات شاقہ او برخود پسندیدہ مدتہا است کہ از آوازۂ مجاہدان بدیں قدر ومنزلت در گوش جہانیان اثرے نمی گزارد، وسراپا خود را در امور شریعت گزاشتہ، سرِ مو تجاوز در احکام شرع برخود و بر دیگرے روا نداشتے۔''

گزشتہ صفحات میں ان کے مجاہدات شاقہ اور عزیمت کی بعض مثالوں کا ذکر گذر چکا ہے، حج سے پہلے ان کی ساری زندگی جہادِ مسلسل کا نمونہ تھی اور رزق حلال کی تلاش میں اکثر مچھلی، جنگلی پھلوں پر گزارا تھا، مصنف ''مہرِ جہاں تاب'' کے حسبِ ذیل الفاظ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے وہ زمانہ بلکہ ساری زندگی اسی شان کے ساتھ گزار دی، وہ لکھتے ہیں:

''پیوستہ بفقر ومحتاجگی بسر کردو گاہے گاہے گولر جوشاندہ بخوردے و

---

(۱) سیرت سید احمد، از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بحوالہ نتائج الحرمین

برہمان قناعت فرمودے۔"

ہر کام میں سنت کا خیال

سید شاہ علم اللہؒ کو ہر کام میں سنت کا اس درجہ خیال تھا کہ وہ اس میں سنت کے سارے آداب ملحوظ رکھتے تھے، مثلاً سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، اس میں چھوٹے بڑے اور مرد و عورت کی کوئی تفریق نہ تھی، جھک کر یا ہاتھ اٹھا کر سلام کرنا، یا تسلیم و آداب سخت ناپسند تھا اور اس سے منع کرتے تھے، سلام کر کے آگے بڑھتے، کوئی دیوار یا درخت حائل ہو جاتا اور پھر سامنے آتے تو اتباعِ سنت میں دوبارہ سلام کرتے، نمازِ فجر، نمازِ جمعہ اور نمازِ عیدین کے بعد مصافحہ کو اس بنیاد پر منع فرماتے تھے کہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔

لباس و پوشاک میں سنت کی پیروی کرتے تھے، مثلاً روئی والا چوغہ یا قبا جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہے کبھی نہ پہنتے تھے۔(۱)

مونچھیں رکھنا یا لانبی آستین اور دامن کا کرتہ پہننا جو بعض مشائخ صوفیہ کے ہاں رائج ہے سخت ناپسند تھا اور اس سے منع فرماتے تھے۔

بدعت سے نفرت

بدعت سے اس قدر نفرت تھی کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص بدعت میں مبتلا ہے اس کا منہ دیکھنا اور سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہ تھا، ملاقات کرنا یا ہدیہ قبول کرنا تو بہت آگے کی بات ہے، اسی طرح اگر کسی گھر میں میت ہوتی یا شادی اور اس طرح کے موقعوں پر رسوم کا علم ہوتا تو وہاں کسی کی دعوت قبول نہ کرتے اور صاف معذرت کر دیتے اور اس میں کسی کی وجاہت یا امارت و ریاست کا مطلق خیال نہ فرماتے۔

"نتائج الحرمین" میں ہے کہ ایک روز دلیل خاں جو عہدِ شاہجہانی کے امراء

---

(۱) اونی رضائی یا چادر کا استعمال کرتے تھے۔

کبار میں سے تھے' ملاقات کیلئے آئے، ان کو آپ نے امر بالمعروف اور تمام خلافِ شرع کاموں سے توبہ کرائی، توبہ کے بعد جو نذر وہ لائے تھے' قبول فرمائی، وہ رخصت ہوکر تقریباً ایک کوس گئے ہوں گے کہ ان کے لشکر سے نقارہ کی آواز آئی اسی وقت نذر واپس بھیج دی۔ (۱)

ان کا عمل الحب فی اللہ والبغض فی اللہ (اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے نفرت) پر تھا۔ اگر معلوم ہوتا کہ کسی سے کوئی فعل خلافِ شریعت صادر ہوا ہے تو اظہارِ بیزاری فرمادیتے اور جب تک وہ شخص توبہ نہ کرلیتا اس سے کوئی تعلق نہ رکھتے، ''تذکرۃ الابرار'' میں ہے کہ ابتدا میں اگر کوئی توبہ کرلیتا تو اسی وقت اس کی نذر قبول کرلیتے، لیکن بعد میں یہ حال ہوگیا تھا کہ اس کو ٹال دیتے تھے اور کہتے تھے پھر کسی دوسرے موقع پر آنا، مطلب یہ ہوتا تھا کہ اگر اس توبہ پر ثابت قدم رہا تو قبول کرلیں گے، ورنہ واپس کردیں گے۔

رسوم و بدعات اور خلافِ شرع کاموں سے قلبی نفرت تھی اور بغیر کسی مداہنت اور تاویل کے اس کو منع فرمادیتے تھے ایسے کاموں سے چشم پوشی گوارا نہ تھی' اور اکثر لوگ جو ان کی خدمت میں آتے تائب ہوکر واپس جاتے اور ان کی اصلاح ہوجاتی، اکثر ان کے کہنے کا ایسا اثر ہوتا کہ اسی محفل میں لوگ اپنی مونچھیں کترواد یتے اور لانبی آستین اور دامن چھوٹا کرادیتے۔

شیخ عبدالحکیم نے سید شاہ علم اللہؒ کے ملفوظات میں ایک واقعہ لکھا ہے' جس سے ان کے طرزِ عمل کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سمجھانے کا اسلوب اور طریقۂ دعوت کیا تھا:

''عید الاضحیٰ کے روز سورج نکلے آپ مسجد سے نکل کر مکان پر

(۱) سیرت سید احمد شہید بحوالہ نتائج الحرمین

تشریف لائے، دروازے پر پہنچے تھے کہ دو سپاہی حضرت کی ملاقات کو تشریف لائے، آپ دروازے سے واپس ہوئے اور ان کی خاطر سے اپنی نشست گاہ میں آکر بیٹھ گئے، آپ نے ان سے فرمایا کہ تم شادی وغمی میں اپنے عزیز واہلِ برادری کے ساتھ کیا عمل کرتے ہو، سنت کے موافق یا بدعت کے؟ ان میں سے ایک نے جو حضرت سے پہلے تعلق رکھتا تھا جواب دیا: ہمارا عمل حضرت کی مرضی اور ارشاد کے موافق ہے اور ہم شادی وغمی میں کسی بدعت کی محفل میں شریک نہیں ہوتے، فرمایا: جزاک اللہ، اس کے ہمراہی نے کہا کہ ہمیں جب اللہ توفیق دے گا تو ہم بھی بدعت کے ان کاموں سے باز آجائیں گے، ہمارا اس میں کچھ اختیار نہیں، حضرت نے فرمایا: اس طرح مت کہو، ہر عاقل وبالغ کو اللہ نے اختیار دیا ہے، اور یہ کہنا کہ اللہ توفیق دے' کل قیامت میں یہ دلیل کچھ کام نہ آئے گی، اگر یہ دلیل کارآمد ہوتو ہر شخص کی گلو خلاصی ہوجائے۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ ان کا گیہوں کھانا ایک تقدیری امر تھا' لیکن انھوں نے بھی اپنی تقصیر کا اعتراف کیا اور کہا: ربنا ظلمنا أنفسنا، یعنی اے ہمارے رب! ہم نے بڑا نقصان کیا، اور یہ نہیں کہا کہ اے اللہ! گیہوں نہ کھانے کی توفیق تو نے کیوں نہیں دی، کسی آدمی کا کسی پر قرض ہوتا ہے اور وہ آدمی اس سے مطالبہ کرتا ہے تو قرضدار یہ نہیں کہتا کا اگر خدا توفیق دے گا تو تیرا قرض ادا کردوں گا، بلکہ چارو ناچار کہیں نہ کہیں سے انتظام کرنا پڑتا ہے،

یا نہ ہونے پر بالکل عذر کرتا ہے یا اس سے معاف کروالیتا ہے، یا کسی دوسرے وقت پر رکھتا ہے، اسی طرح اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ اسلام کے مفہوم پر عمل کریں، اسلام کیا ہے؟ اللہ کے احکام کے آگے سر جُھکا دینا چاہئے اور ان تمام چیزوں سے جن سے اللہ نے روکا ہے مجتنب رہنا چاہیے، کیوں کہ بندہ جب نیک کام اختیار کرتا ہے تو حق تعالی اس کو خیر کی زیادہ توفیق دیتا ہے، جب بندے کا اخلاص اللہ سچا دیکھتا ہے تو اس کی طرف سے فضل وکرم کا وہی معاملہ ہوتا ہے البتہ بندہ کو استقامت سے کام لینا چاہئے۔"(۱)

سماع، غنا، مزامیر، زرد ورنگین پوشاک اور اسی طرح کی تمام چیزوں میں سید شاہ علم اللہ نے ہمیشہ اور ہر موقع پر اظہارِ حق سے کام لیا اور مداہنت، رعایت اور چشم پوشی گوارا نہ کی، بعض نامور علماء ومشائخ اور علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز ترین افراد سے ان کے مکالمے منقول ہیں، جن میں سید شاہ علم اللہؒ نے سنت کی حمایت اور بدعت و نامشروع کی مذمت میں پوری صفائی سے کام لیا، ان حضرات نے بھی کھلے دل سے کوتاہی کا اعتراف اور حق کو تسلیم اور مسلک و ذوق کے اختلاف کے باوجود سید شاہ علم اللہ کی عظمت وجلالتِ شان اور ان کے اوصاف وخصوصیات کا برملا اعتراف کیا۔

شاہ پیر محمد لکھنوی سے اہم مکالمہ

اس سلسلے میں سب سے اہم اور مشہور مکالمہ وہ ہے جو ان کے اور شاہ پیر محمد لکھنوی (۲) (جو ایک نامور عالم اور شیخ اور اودھ کے اکثر علماء کے استاذ ہیں) کے

---

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ مؤلفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

(۲) شاہ صاحب کا تذکرہ نزہۃ الخواطر ج ۵ میں ملاحظہ ہو

درمیان ہوا، اس مکالمہ میں سید شاہ علم اللہؒ کا طرزِ فکر اور ان کے خیالات ومعتقدات بہت وضاحت کے ساتھ سامنے آئے ہیں اور اس میں ان کی شخصیت پوری طرح جلوہ گر ہے۔

ذیل میں اس مکالمہ کا اقتباس بلاکم وکاست پیش کیا جا رہا ہے:

''ایک مرتبہ شاہ پیر محمد صاحب لکھنوی رائے بریلی آپ کی قیام گاہ پر تشریف لائے اور دونوں جلیل القدر معاصرین کی ملاقات ہوئی۔ شاہ پیر محمد صاحبؒ کے جسم پر اس وقت ایک رنگین گلابی لباس اور گردن میں مالا پڑی ہوئی تھی، شاہ علم اللہؒ نے فرمایا کہ جناب رئیس العلماء کتاب وسنت سے سب سے زیادہ واقف ہیں، یہ فرمائیں کہ اس مالا و زنار کے درمیان بافت اور تافت کے سوا کیا فرق ہے؟ شاہ صاحب نہایت منصف مزاج بزرگ تھے، بے تامل گردن سے مالا اتار دی، شاہ صاحب نے اس کے بعد فرمایا کہ یہ رنگین گلابی کپڑے بھی خلافِ سنت ہیں اور ہندوستان کے جوگیوں کی پوشاک ہے، آپ جیسے خواص کے شایانِ شان نہیں، شاہ پیر محمد صاحب نے فرمایا کہ یہ رنگ مَیل قبول نہیں کرتا اور ذرا دیر میں دھونے کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے حالتِ سفر میں مباح ہے، شاہ علم اللہؒ صاحب نے فرمایا یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، جناب کا یہ کرتا اور چادر اور عمامہ جس قیمت کا ہے اس میں اس بات کی کیا رخصت ہوسکتی ہے؟ پھر جناب کے خدّام کو یہ زحمت برداشت کرنی چاہیے، شاہ پیر محمد صاحب نے اس کا اعتراف فرمایا، اور شاہ صاحب کی بات قبول

کی، جب رخصت ہوکر وہاں سے تشریف لے گئے تو خادموں
اور شاگردوں نے عرض کیا کہ جناب نے شاہ علم اللہؒ کے
اعتراض کو اس قدر جلد قبول کرلیا، ہم خدام بڑے محجوب ہوئے،
حضرت ملک العلماء ویکتائے زمانہ ہیں، بہت سی توجیہات
فرما سکتے تھے، شاہ پیر محمد صاحب کہ علماء راسخین و اولیائے کاملین
میں سے تھے اور نفسانیت، انانیت کا کانٹا دل سے نکل چکا تھا،
رفقاء سے فرمایا کہ سید صاحب کا ارشاد بالکل حق اور سنت کے
موافق تھا، اس بات میں سینہ زوری کرنے سے حق بات کا انکار
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کا خطرہ تھا۔'' (۱)

ملا جیون سے ایک تاریخی گفتگو

مولانا شیخ احمدؒ صاحبِ ''تفسیرات احمدیہ و نور الانوار'' سے بھی (جن کو عام طور پر ملا جیون کے نام سے عربی کا ہر طالب علم جانتا ہے) ایک ملاقات کے دوران سید شاہ علم اللہؒ سے سماع وغنا کے مسئلہ پر اہم علمی گفتگو ہوئی اور ملا صاحبؒ نے ان کی سب باتیں تسلیم کیں اور خاموشی اختیار کی، اصل واقعہ کی تفصیل درجِ ذیل ہے:

''ایک مرتبہ سید شاہ علم اللہؒ کا قصبہ امیٹھی سے گزر ہوا چونکہ قصبہ
علماء کا ایک بڑا مرکز رہا ہے اس لئے اس خیال سے کہ چونکہ ان کا
عمل زیادہ تر عزیمت پر ہے اور عام طور لوگ معاملات اور بیع و
شرا میں مکروہات و محرمات تک سے اجتناب نہیں کرتے اور ایسے
بہت کم ہیں جو مباح پر عامل ہوں، مزید یہ کہ اس پر اصرار بھی
کرتے ہیں، انھوں نے اپنے رفقاء کو سختی سے تاکید کردی کہ وہ

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ

کسی کو ان کی آمد کی اطلاع نہ کریں، اس کے بعد ایک علیحدہ مقام پر فروکش ہوئے، ایک صاحب جو اس ہدایت کے وقت حاضر نہ تھے اور اس مصلحت سے ناواقف تھے، ان سے یہ راز افشا ہوگیا، چند طالب علم جو سوادِ قصبہ میں سیر وتفریح کرتے ہوئے جارہے تھے یہ صاحب ان کے پیچھے تھے۔ ایک طالب علم نے ان سے پوچھا کہ اس جماعت کا امیر اور رہنما کون ہے؟ انھوں نے سید شاہ علم اللہؒ کا پتہ بتادیا، طلبہ (جو کہ اس موقع کے منتظر ہی رہتے ہیں کہ کوئی بحث ومناظرہ کا موقع آئے) فوراً شیخ احمد (ملّا جیون) کے پاس گئے، اور ان کو اطلاع کی کہ سید شاہ علم اللہؒ اس وقت قصبہ میں تشریف فرما ہیں، شیخ احمد صاحب چند شاگردوں کے ساتھ تشریف لائے اور سلام کیا، سید شاہ علم اللہؒ نے سلام کا جواب دے کر نام پوچھا، انھوں نے کہا جیون، سید شاہ علم اللہؒ نے سوچا کہ جس کا اندیشہ تھا وہی ہوا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس موقع پر ناحق کوشی اور سخن پرستی سے محفوظ رکھے۔

اس نشست پر کچھ ہی دیر گزری تھی کہ شیخ احمد صاحب نے یہ سوال کیا کہ سماع کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ سید شاہ علم اللہؒ فرمایا کہ مشائخ حنفیہ اس کی حُرمت کے قائل ہیں اور میرا بھی اسی پر عمل ہے، شیخ احمد صاحب نے "جاریتان تغنیان" کی حدیث پیش کی، سید شاہ علم اللہؒ نے فرمایا کہ "تغنیان" کے عربی میں متعدد معنی ہوسکتے ہیں، اور حلال وحرام کے مسئلہ میں دلیلِ قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، اور جس لفظ میں دوسرے احتمالات ہوں اس

کو اس مسئلہ میں بنیاد نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ شیخ احمد صاحب اس پر کچھ سوچنے لگے، سید شاہ علم اللہؒ نے ان سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں آپ کا کیا عمل ہے؟ فرمایا کہ میں خود نہیں سنتا، شاہ صاحب نے دوبارہ سوال کیا کہ آپ کے متعلقین بھی اس سے محترز ہیں یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ''دست ما بر آنہا نمی رسد'' (یعنی ہم کو ان پر قابو نہیں ہے) شاہ علم اللہ صاحبؒ نے ان کو حدیث ''کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ'' پڑھ کر سنائی اور اسی وقت واپس تشریف لے آئے۔ (۱)

شیخ احمد صاحب اپنے تبحرِ علمی اور جلالتِ شان کے باوجود خاموش رہے، اس کے بعد ان کا یہ حال ہو گیا جب کوئی ان کی تعریف کرتا تو فرماتے کہ یہ تعریف تو سید محمد علم اللہؒ کا حق ہے، جو مجھ جیسے عالم سے (جن کی تم اس وقت تعریف کر رہے ہو) محض ایک شرعی مسئلہ کے لئے منھ پھیر کر چلے گئے۔'' (۲)

ملا باسو سے ایک گفتگو

ایک مرتبہ شاہ علم اللہؒ جائس کی ایک گلی سے گزر رہے تھے، دوسری طرف سے غلام مصطفےٰ اشرفی عرف ملا باسو آرہے تھے، ملا باسو نے شاہ صاحب کو دیکھ کر سلام میں ابتدا کی، ملا باسو زرد پوشاک میں ملبوس تھے، شاہ صاحب نے رنگ دیکھ کر حسبِ معمول ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور فرمایا کہ جناب بدعت کے مرتکب ہیں اور حرام لباس پہنے ہوئے ہیں، ایسے علی الاعلان بدعت کا مظاہرہ کرنے والوں کے سلام کا جواب کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ دوسرے موقع پر جب سید شاہ علم اللہؒ تکیہ پر تشریف رکھتے تھے' ملا باسو نے لباس معصفر (رنگین و گیروا لباس) کی اباحت پر بہت سے دلائل جمع کر کے ایک

---

(۱) و (۲) سیرتِ علمیہ

خادم کے ہاتھ شاہ صاحب کو ارسال کیئے، اس موقع پر ایک مغلوب الغضب شخص موجود تھا اس نے جذبات کی رو میں آ کر اس کاغذ کو پھاڑ ڈالا، شاہ علم اللہؒ نے اگرچہ اس شخص کو ہر چند ملامت کی، لیکن حاملِ رقعہ نے واپس جا کر اس واقعہ کی اطلاع ملا باسو کو کر دی۔ ملا باسو نے موقع کو غنیمت جان کر فوراً ایک استفتا مرتب کیا کہ فلاں شخص نے شرع کی بے حرمتی کی ہے اور ملا خواجگی جائس کے پاس لے گئے، ملا خواجگی نے اس استفتا کو چاک کر دیا، اور یہ کہا کہ ملا شیروں کے ساتھ روباہ بازی نہ کرو، اور ایک ناحق بات اور نامشروع لباس کے پیچھے اپنے کو علماء زمانہ کی ملامت کا ہدف نہ بناؤ، حق تو یہ ہے کہ مکڑی کے جال کا لباس کبھی راس نہیں آ سکتا اور حرام و ناجائز چیز خواہ تقریر و تحریر کے کتنے ہی خوشنما غلاف میں پیش کی جائے اربابِ دانش کی نظر میں قبیح و بدنما ہی رہے گی۔ (۱)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام واقعات میں سید شاہ علم اللہؒ کے ساتھ اللہ تعالی کی خاص ''نظرِ عنایت'' تھی اور اس کی مرضی ومشیت یہی تھی کہ احیاء سنت کے اس عظیم اور مبارک کام میں جو ان سے پہلے شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانیؒ کے سوا کسی اور جگہ قوت کے ساتھ انجام نہیں دیا گیا ان کا بہت نمایاں اور خاص حصہ ہو اور وہ اس کا رمز اور نشان بن جائیں۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اس معاملہ میں ان کی انفرادیت اور امتیاز کی شہرت علماء و مشائخ سے لے کر امراء و سلاطین سب جگہ پہنچ گئی تھی اور سب اس کو صاف طور پر محسوس کر رہے تھے کہ ان کی شخصیت کو دوسروں پر قیاس کرنا یا عمومی پیمانوں سے ناپنا اور ان سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ کسی وجاہت، امارت، سلطنت، علم و ہنر اور فضل و کمال یا احوال و مقامات اور خوارق و کرامات کے سامنے اپنے موقف سے ہٹ جائیں گے یا ان ہی کی تعبیر میں ''ناحق کوشی اور سخن پروی'' کا سہارا لیں گے' بالکل

(۱) سیرتِ علمیہ

درست نہیں اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔

خلوت وریاضت کے بارے میں شاہ صاحب کا مسلک

سید شاہ علم اللہؒ کا یہ معاملہ صرف مبتدعین کے ساتھ مخصوص نہ تھا بلکہ اگر کسی بڑے صاحبِ حال اور صاحبِ قال کے متعلق ان کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ سنن و مستحبات کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے اور اپنے وظائف و معمولات کی طرف ان کو زیادہ توجہ ہے تو وہ ان سے میل جول رکھنا بھی پسند نہ کرتے (اور بعض اوقات ملنے اور سلام کرنے کے بھی روادار نہ ہوتے) وہ ایسے اوراد و معمولات، اذکار واشغال اور مراقبہ وخلوت کے قائل نہ تھے جو سنتِ نبوی سے متصادم ہوں، یا اس سے اتباعِ سنت میں کمی آتی ہو یا اس میں سنت کا حصہ بہت کم اور تصوف کے دوسرے طریقوں کی آمیزش بہت زیادہ ہو، وہ جماعت کے ساتھ ایک وقت کی نماز، اور کسی ایک سنت پر عمل کو ہزار ریاضت اور چلہ کشی اور کشف و کرامت سے افضل اور ضروری قرار دیتے تھے اور ان ہی احوال و مقامات کو معتبر اور بابرکت سمجھتے تھے جو احکامِ شریعت کے تابع اور انوارِ سنت سے معمور ہوں۔

ہم ایک واقعہ یہاں پیش کرتے ہیں جن سے ان کے طرزِ عمل اور ذہن و مزاج کا آسانی کے ساتھ اندازہ ہو جائے گا:

''ایک مرتبہ سید شاہ علم اللہؒ حیدر آباد کے کسی شہر میں تشریف لائے، جمعہ کا روز تھا، نماز کے لئے اپنی قیام گاہ سے جامع مسجد میں آئے وہاں ایک حجرہ میں ایک بزرگ چلہ کش تھے، ان کے مریدین وخدام نے جب اس قافلہ کو دیکھا تو شاہ صاحب کے ہمراہیوں سے ان بزرگ کی بہت تعریف کی، ان لوگوں نے شاہ علم اللہؒ سے ذکر کیا کہ یہاں اس پایہ کے ایک بزرگ تشریف فرما ہیں، ان سے ملاقات کرنی چاہیے، شاہ علم اللہؒ تیار ہو گئے اور فرمایا نماز کے بعد مسجد ہی میں ملاقات کرلیں گے،

جب نماز سے فارغ ہوئے اور وہ بزرگ نماز کے لئے مسجد میں نہیں آئے تو سید شاہ علم اللہؒ نے ان سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی قیام گاہ کی طرف واپس ہونے لگے، ان کے خدام و معتقدین سامنے آگئے اور کہنے لگے کہ ان سے ملاقات کر لیں، سید شاہ علم اللہؒ نے جواب دیا کہ وہ نماز کے لئے نہیں آئے اور فرضِ قطعی کو بلا عذرِ شرعی ترک کر کے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں ایسے آدمی کا منھ دیکھنا نا مناسب اور ملاقات کرنا غلطی ہوگی۔'' (۱)

کمالِ ورع واحتیاط

سید شاہ علم اللہؒ کے زہد و تقوی اور کمالِ ورع و احتیاط کے واقعات اعلی درجہ کی عزیمت کے آئینہ دار ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ میں بھی عزیمت، اعتدال و توازن اور اتباعِ سنت کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پایا، ہدایا کے قبول کرنے میں ان کی شرطیں پہلے گذر چکی ہیں، اس بات کا ذکر کرنا رہ گیا کہ مقروض یا اس آدمی کا جو غریب ہو، اور اہل وعیال رکھتا ہو ہدیہ قبول نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ قرض کی ادائیگی اور ذوی الارحام کے حقوق واجب ہیں اور ہدیہ پیش کرنا نفل ہے، جب حقوق پورے ہوجائیں تو نفل کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ (۲)

شاہ صاحب کے ایک معتقد پیر خاں لوہانی پوری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آم کی فصل میں کچھ آم لے کر حاضرِ خدمت ہوا، سید شاہ علم اللہؒ نے فرمایا کہ یہ چیز تمھارے اور تمھارے بھائیوں کے درمیان مشترک ہے، بغیر تقسیم کے تم اس کو لائے ہو، اس لئے قبول کرنے سے معذور ہوں، انھوں نے عرض کیا کہ ہم لوگوں نے باہم مشورہ اور رضامندی سے باری مقرر کرلی ہے، آج میری باری ہے اور یہ سب آم میرے ہیں آپ تردد نہ فرمائیں، ان کی عمر بہت کم تھی، شاہ علم اللہ صاحبؒ نے فرمایا کہ

---

(۱) و (۲) سیرتِ علمیہ

یتیم کو تصرف کا پورا حق نہیں، انھوں نے جواب دیا کہ میں بالغ ہو چکا ہوں، چار و ناچار شاہ علم اللہؒ کی خدمت میں آم رکھ کر چلے گئے، تھوڑی دور گئے ہوں گے کہ ایک آدمی دوڑتا ہوا پہنچا اور کہا کہ حضرت بلا رہے ہیں۔ میں واپس آیا تو شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تم نے جو کچھ بیان کیا خلافِ واقعہ تھا، جب میں نے اس راہ پر چلنے کا قصد کیا اور ''جادۂ فقر'' کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مجھے حرام و مشتبہ چیزوں سے محفوظ رکھے، تمہارا یہ عطیہ اسی قسم میں داخل ہے، تم یتیم غیر مراہق ہو، اپنے آم واپس لے جاؤ۔(۱)

شاہ عبدالحمید ابدال کو نصیحت

سید شاہ علم اللہؒ نے ایک مرتبہ شاہ عبدالحمید ابدال کو (جو اس زمانہ کے مشہور مجذوب بزرگ تھے اور غلبۂ حال کی وجہ سے ان کو ستر پوشی کا ہوش نہ تھا) ایک بغیر سلا ہوا کپڑا بھیجا اور یہ پیغام کہلوایا کہ سترِ عورت صاحبِ شریعت ﷺ کا حکم ہے امتثالِ امر کریں اور یہ کپڑا سلوا کر جامہ پہن لیں، روایت ہے شیخ عبدالحمید ابدال نے قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی درزی کو بلوا لیا اور اس کو سلوائی کی اجرت بھی دے دی، جب قاصد پہنچا تو شاہ عبدالحمید ابدال نے فرمایا کہ جس وقت تم یہ کپڑا لے کر روانہ ہوئے اسی وقت مجھے کشف ہو گیا تھا، چنانچہ میں نے درزی کو بلوا لیا ہے اور اس کو اجرت بھی حوالہ کر دی ہے، اس کے بعد وہ کپڑا درزی کے حوالہ کیا، اور اسی وقت سلوا کر پہنا اور فرمایا کہ سید کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ اطاعتِ امر اور اس فقیر کے ساتھ جو خصوصیت فرمائی گئی اس سے سعادت حاصل کی۔(۲)

شاہ عبدالشکور کو نماز کی تبلیغ

شاہ عبدالشکور صاحب مجذوبؒ جن کا ذکر کتاب میں متعدد جگہ گزرا ہے مغلوب الحال مجذوبوں کی طرح احکامِ شرعیہ کے پابند نہ تھے، سید شاہ علم اللہؒ نے ایک

---

(۱) و (۲) سیرتِ علمیہ

خادم کوان کی خدمت میں روانہ کیا اور یہ پیغام بھیجا کہ نماز آپ پر فرض ہے، نہ پڑھنے کی کیا وجہ ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ اگر شاہ صاحب یہ جواب دیں کہ میں نماز پڑھتا ہوں تو یہ کہنا کہ نماز کے وقت اولیائے کرام کے ہر وجود پر خواہ وہ گھاس اور پتیوں کی طرح کثیر التعداد ہوں نماز واجب ہے، کسی ایک دو کے ادا کرنے سے دوسرے سے ساقط نہ ہوگی، خادم نے جا کر یہ ساری بات کہہ دی، شاہ عبد الشکور نے کہا کہ شاہ صاحب جانتے ہیں کہ میں نماز پڑھ لیتا ہوں، خادم نے شاہ صاحب کی یہ بات دُہرائی کہ اللہ تعالی نے اپنے اولیاء کو اس کی قوت بخشی ہے کہ ان کے ایک وجود میں اشخاص متعددہ کا وجود ظاہر ہو، لیکن اس کے باوجود بھی ان میں سے ہر وجود پر علیحدہ نماز فرض ہوگی، اور کسی ایک کے ادا کر لینے سے دوسرے کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگی، ''بحرِ زخار'' میں اتنا اضافہ ہے کہ اگر اللہ تعالی کسی ولی کو ستر ہزار قالب عطا فرمائے تو ایک نماز سے فرض ادا نہ ہوگا بلکہ ہر وجود اور ہر قالب پر نماز اسی طرح فرضِ عین اور علیحدہ علیحدہ واجب ہوگی۔ شاہ عبد الشکور پر یہ بات سن کر عجب حال اور وجد طاری ہوا، تین شبانہ روز گلی گلی، کوچہ کوچہ ایک سرخوشی و سرمستی کی کیفیت میں گھومتے رہے اور بار بار یہ کہتے (وے نہ کہیں تو کہے کون، وے نہ کہیں تو کہے کون) یعنی ایسی بات وہ نہ کہیں گے تو اور کون کہے گا۔(۱)

سنت کے مطابق نکاح کی پہلی مثال

سید شاہ علم اللہؒ نے خاندانی معاملات وتعلقات اور نکاح، ولیمہ، عقیقہ وغیرہ میں بھی رسم و رواج اور دستور کے برعکس احیاءِ سنت پر عمل کیا اور کسی ملامت کی پرواہ نہ کی اور باوجود اس کے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے علمی و دینی گھرانوں میں بھی یہ رسوم وخاندانی روایات گھر کر چکی تھیں اور بڑے بڑے اہلِ علم و اہلِ زہد بھی اس کو گوارا کر رہے تھے، یا فتنہ وانتشار کے خوف اور کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے چشم پوشی سے کام

---

(۱) سیرتِ علمیہ

لے رہے تھے، انھوں نے اس اہم شعبہ میں بھی عزیمت اور اتباعِ سنت کی وہی شان برقرار رکھی جوان کا سب سے بڑا وصف اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا پیغام ہے، اپنے تمام فرزندوں کا نکاح انھوں نے پانچ سو درہم شرعی پر کیا، اپنی صاحبزادیوں کا مہر چارسو درہم شرعی رکھا جو حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مہر ہے، یہاں تک کہ اپنی صاحبزادیوں کے جہیز میں انھوں نے کوشش کر کے اور اہتمام کے ساتھ وہی سامان دیا جو سیدہ فاطمہؓ کے جہیز میں دیا گیا تھا، انھوں اپنی صاحبزادی کی شادی جس سادگی اور اتباعِ سنت کے ساتھ کی وہ کم از کم اس خاندان میں اس کی پہلی مثال ہے۔

''تذکرۃ الابرار'' میں ہے کہ ان کی لڑکی ان کے بھتیجے سید عبدالرحیم فرزند مولانا سید ہدایت اللہ سے منسوب تھیں، سید شاہ علم اللہؒ اچانک نصیر آباد پہنچے، بھائیوں سے ملاقات کی، سید عبدالرحیم بھی وہاں پر موجود تھے، اس زمانہ میں دستور تھا کہ لڑکا شادی سے پہلے اپنے خسر کے سامنے نہیں آتا تھا، سید عبدالرحیم جانے کے لئے اٹھنے لگے، شاہ صاحب نے دیکھ کر فرمایا کہ میاں عبدالرحیم وضو کر کے آجاؤ، اس وقت تمھارا عقد ہے، مولانا سید ہدایت اللہ نے یہ عذر کیا کہ اس قدر اچانک عقد مناسب نہیں کچھ مہلت ہونی چاہیئے، کچھ دیر گفتگو کے بعد وہ بھی آمادہ ہوگئے اور اسی مجلس میں ان کا عقد ہوگیا(۱) جہیز بھی سنت کے مطابق تھا، سیدہ بی بی حنیفہ کی شادی میں سنت کے مطابق پیدل چل کر ان کو ان کی سسرال تک پہنچایا، جہیز میں ان کو چکی بھی دی تا کہ اتباعِ سنت میں کوئی کمی نہ رہ جائے (یہ چکی بہت عرصہ تک بی بی حنیفہ کے فرزندوں کے پاس محفوظ رہی۔)

''مہرِ جہاں تاب'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ دیوان سید خواجہ احمدؒ (جو خود ایک نقشبندی شیخ اور متبعِ سنت بزرگ تھے) کی روایت ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ کی خواہش اور کوشش تھی کہ جہیز میں جو سامان دیا جائے اس میں سنت سے سرِ مو تجاوز نہ ہو، چنانچہ

---

(۱) تذکرۃ الابرار۔

چکی کا پاٹ بھی تحقیق کر کے اسی طرح کا دیا جیسا رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے جہیز میں دیا تھا۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق

اس اتباعِ سنت اور عشقِ رسول کی برکت سے جو احوال و واقعات اور اذواق و کیفیات، خوارق و کرامات اور بشارات وغیرہ پیش آتی رہتی تھیں ان سے اس روحانی و قلبی تعلق کا اندازہ ہوتا ہے، جو ان کو رسول اللہ ﷺ سے تھا، ایسے واقعات اور بشارتوں کی تعداد بہت ہے، لیکن سید شاہ علم اللہؒ کے اصل کمالات و اوصاف جن کا ذکر اوپر گزرا اس سے مستغنی اور بے نیاز ہیں، اور ان کو اس تصدیق یا اس اضافہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ ع

روئے دل آرام را حاجتِ مشاطہ نیست

تاہم اس ضمن کے صرف دو واقعے یہاں درج کئے جاتے ہیں جن سے ان کی اس حیثیت رسول اللہ ﷺ سے نسبتِ خاص، اور علوِ مرتبت کا اندازہ ہوگا:

"شیخ عبدالرحمٰن جو شاہ صاحب کے اجلۂ رجال میں تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ شاہ صاحب اپنے گھر سے کلہاڑی اور رسی لے کر باہر نکلے، مجھ کو بیدار کیا اور دو تین آدمیوں کے ہمراہ جنگل کی طرف چلے، سب نے مل کر لکڑیاں کاٹیں اور گٹھر بنا کر اپنے سروں پر لادا، شاہ صاحب نے بھی ایک گٹھر اپنے سر پر رکھا اور خانقاہ کی طرف

---

(۱) ظاہر ہے کہ یہ کوئی فرض واجب چیز نہیں لیکن مطابقِ سنت ہونے میں کیا کلام ہوسکتا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ یہ سب محبت کی کارفرمائی اور کرشمہ سازی ہے، یہ نہ ہو تو نماز کے لئے سویرے اٹھنا مشکل اور یہ ہو تو پوری پوری رات عبادت میں گزار دینا، ایک معمولی سنت کی پیروی میں ہر قسم کی ملامت سننا آسان و خوش گوار ہے ؎

عجب چیز ہے لذتِ آشنائی　　دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

روانہ ہوئے، شاہ صاحب نے سر سے گٹھر اتار کر وہاں رکھا، وضو فرمایا اور مسجد میں بیٹھ گئے، اسی وقت ایک عزیز جو شاہ صاحب سے قرآن مجید کی صحت کرتے تھے قرآن شریف لے آئے اور پڑھنے کا ارادہ کیا، اچانک میری نظر اٹھی میں نے دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہیں، قاری کو دیکھ کر آپ نے مجھ نحیف سے فرمایا کہ عبدالرحمٰن اس آدمی سے کہو کہ میرے فرزند محمد علم اللہ اس بوجھ اور آمد و رفت کی وجہ سے تھک گئے ہیں، تھکن دور ہونے کے بعد دوسرے وقت ان سے پڑھ لیں، میں نے اس پر عمل کیا اور ان کو منع کر دیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو ہو بہو یہی واقعہ پیش آیا، اسی طرح شاہ صاحب گھر سے نکلے اور سر پر بوجھ لادکر مسجد تشریف لائے اور وہ سب کچھ ہوا جو خواب میں دیکھ چکا تھا، جب قاری کو قراءت سے باز رکھنا چاہا تو انھوں نے سختی سے جواب دیا کہ تم مجھے عبادت سے روکتے ہو، میں نے کہا کہ ہاں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے روکتا ہوں، شاہ صاحب نے مسکرا کر قاری سے فرمایا کہ اس وقت موقوف رکھیں، دوسرے وقت پڑھ لیں، میاں عبدالرحمٰن صحیح کہتے ہیں۔"(۱)

اکبر آباد کے دورانِ قیام میں سید شاہ علم اللہؒ، سید عبداللہ محدث اکبر آبادی(۲)

---

(۱) سیرتِ علمیہ

(۲) یہ عبداللہ محدث اکبر آبادی حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلفاء میں ہیں، غالباً ابتدا میں اس واقعہ سے متاثر ہو کر شاہ صاحب سے بیعت ہوئے اس کے بعد سید آدم بنوریؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے خلافت عامہ و تسکین اتم حاصل کی، واللہ اعلم۔ (تذکرۃ الابرار)

کے مہمان اوران کے مکان میں فروکش تھے، اسی اثناء میں طبیعت خراب ہوئی اور مرض اتنا بڑھا کہ ارادہ کے خلاف چند روز وہاں قیام کرنا پڑا۔ ایک رات بیماری نے اتنی شدت اختیار کی کہ بالکل مایوسی ہوگئی، سید عبداللہ محدث یہ محسوس کر کے کہ آخری وقت معلوم ہوتا ہے، اور مکمل تنہائی ہے نہ جانے کیا صورت ہو، اپنے چند دوستوں کے ساتھ گھر سے نکلے اور شاہ صاحب کے حجرہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے، اچانک کمرہ ایک غیر معمولی نور سے جگمگا اٹھا اور تجلی ظاہر ہوئی، فرطِ ہیبت اور جلال کی وجہ سے قدم آگے بڑھانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہیں کھڑے رہ گئے، اسی وقت ان کے کان میں یہ آواز آئی جیسے کوئی کہہ رہا ہے: ''السلام علیک یا ولدی'' سید موصوف نے جو خود ایک شیخ اور عالم ربانی تھے قرائن سے محسوس کرلیا کہ شاید رسول اللہ ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے ہیں، تھوڑی دیر مجلس کے خاتمہ پر پھر آواز: ''السلام علیک یا ولدی'' اور اس کے جواب میں: ''وعلیک السلام یا رسول اللہ ﷺ'' کی آواز آئی۔

سید عبداللہ محدث، شاہ صاحب کو ورع وعزیمت اور اتباعِ سنت میں یکتائے زمانہ اور بے نظیر سمجھتے تھے، لیکن ان کو باطنی حالات وکمالات کا اتنا اندازہ نہ تھا اور بیعت میں تردد تھا، اس واقعہ سے ان کو غایت عقیدت پیدا ہوگئی اور بیعت سے سرفراز ہوئے۔(۱)

اخفاءِ حال

باطنی کمالات واحوال اور کرامات وخوارق بہ کثرت پیش آتے تھے، لیکن اخفاء حال کا اس قدر اہتمام اور اس میں اس قدر تشدد تھا کہ اس کا بہت کم حصہ عام طور پر لوگوں کو معلوم ہو پاتا تھا بلکہ اگر ان کو یہ علم ہو جاتا تھا کہ فلاں نے ان کے متعلق کوئی ایسی بات کہی ہے تو اس سے سخت ناراض ہوتے اور ایسی تنبیہ کرتے کہ پھر دوبارہ ہمت

---

(۱) سیرتِ علمیہ

نہ ہو سکے۔

ایک مرتبہ اپنے مکان سے تہجد کے وقت نکل کر مسجد میں آئے اور وضو کے لئے دریا (جو مسجد سے ملا ہوا ہے) پر گئے اور جس طرح آدمی خشکی پر چلتا ہے اسی طرح خراماں خراماں پورے دریا کو پار کرلیا، شیخ سمن نے (جو ان کے اصحاب و اہلِ خانقاہ میں تھے) مسجد میں کسی جگہ موجود تھے یہ منظر دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے بیان کیا، شاہ صاحب کو علم ہوا تو بے حد ناراض ہوئے اور چھ مہینے کے لئے ان کو خانقاہ سے باہر کردیا، چھ مہینے گزرنے کے بعد اہلِ تعلق کی سفارش اور اس وعدہ پر کہ آئندہ کسی بات کا اظہار نہ کریں گے اجازت ملی اور حاضرِ خدمت ہوئے۔(۱)

عزیمتِ جہاد اور تنفیذ شریعت کا جذبہ

شاہ علم اللہ صاحبؒ کا عہد ہندوستان کی اسلامی حکومت کا عہد اورمحی الدین اورنگ زیب عالمگیر کا دورِ حکومت ہے، اس لئے ان کو ان حالات اور اس ماحول کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جس سے ان کے خاندان کے ایک نامور فرد مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ کا سابقہ پڑا لیکن ان کے دل میں کفر و شرک کے مراکز کو نیست و نابود کرنے، اسلام کی سربلندی اور احکامِ شریعت کی تنفیذ کا جذبہ موجزن تھا اور بعض بعض مواقع پر انھوں نے محدود دائرہ میں اس پر عمل بھی کیا، یا اپنے مریدین و اہلِ تعلق کو اس پر مامور کیا، اس اجمال کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ورنہ اس کی بعض تفصیلات پیش کی جاتیں، البتہ ''قتل مرتد'' کے سلسلہ میں ان کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس سے ان کی غیرتِ ایمانی، عزیمت، احکامِ الٰہی کی تنفیذ کا شوق اور اس سعادت میں شریک ہونے کی خواہش کا اندازہ ہوتا ہے اور ان کا یہ پہلو بھی سامنے آتا ہے جو سید احمد شہیدؒ کی زندگی میں بہت نمایاں اور ان کی سیرت کا مرکزی پہلو ہے۔

---

(۱) سیرتِ علمیہ

نصیر آباد کا ایک چودھری اور ذی حیثیت شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، سید شاہ علم اللہؒ نے اس عزم کا اظہار کیا کہ چونکہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اس لئے اس شخص کو یہ سزا ملنی چاہیئے اور اگر قوت و اختیار ہو تو اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے طور پر اس کی تیاری شروع کردی، اپنے صاحبزادے سید آیت اللہ کو اس کو گرفتار کرکے لانے کے لئے بھیجا اور وہ اس کو بڑے معرکے کے بعد کشاں کشاں سید شاہ علم اللہؒ کی خدمت میں لائے، سید شاہ علم اللہؒ نے اس سے فرمایا کہ تم کو معلوم ہے کہ اگر مرتد دوبارہ اسلام میں واپس آنا پسند نہ کرے تو اس کی سزا شریعتِ اسلامی میں قتل ہے، اس کی قسمت میں اسلام لانا لکھا تھا اس نے اسلام قبول کرلیا، اس کی برادری کے لوگ جن کی بڑی تعداد تھی سید شاہ علم اللہؒ کے دشمن ہوگئے اور اس کی کوشش کی کہ جب شاہ صاحب تہجد کے وقت مسجد میں آنے کے لئے باہر آئیں اس وقت ان کی آنکھ زخمی کردی جائے لیکن ”له معقبات من بين يديه و من خلفه يحفظونه من أمر الله“ کے مطابق وہ حفاظت اور سلامتی کے ساتھ مسجد میں آئے اور کسی کی نظر ان پر نہ پڑسکی، اور قرآن مجید کی اس آیت کے بموجب ”لو نشاء لطمسنا على أعينهم فاستبقوا الصراط فأنّى يبصرون. و لو نشاء لمسخناهم على مكانتهم فما استطاعوا مضيا ولا يرجعون.“ خود ان کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی، وہ سب خائب و خاسر واپس ہوئے اور آئندہ بھی اس کی جرأت نہ کی۔(۱)

شاہ صاحب کے دشمن اور ان کا انجام

اللہ تعالیٰ کے مخلص و مقبول بندوں کی ایذا رسانی اور ان سے عداوت و بغض ان چیزوں میں ہے جن کا نتیجہ بہت جلد ظاہر ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک رند مشرب اور

---

(۱) سیرتِ علمیہ و تذکرۃ الابرار باختصار

بدزبان شخص کو سخت ناکامی و ذلت اٹھانی پڑی تھی، ذیل میں چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں جن سے اس پر روشنی پڑتی ہے اور بڑا سبق حاصل ہوتا ہے:

لوہانی پور ایک گاؤں ہے جو دائرہ شاہ علم اللہؒ کے بالکل سامنے جانب مشرق واقع ہے، وہاں افغان زمینداروں کی دو برادریاں آباد تھیں، ایک کانکڑ (اسی کانکڑ قوم سے دولت خاں بھی تھے جنھوں نے شاہ علم اللہؒ کو دس بیگھہ زمین رہنے کے لئے ہبہ کی تھی) دوسرے ترین، ترین برادری کے لوگ شاہ صاحب کے سخت دشمن تھے، یہ لوگ خانقاہ میں آنے والوں اور شاہ صاحب کے مریدین کے راستہ میں کانٹے بچھادیتے تھے، بعض وقت رات میں کسی درخت کی آڑ میں چھپ جاتے تھے، جب اہلِ خانقاہ کسی ضرورت سے شہر جاتے تو جو کچھ ان کے پاس ہوتا وہ لوٹ لیتے اور ان کو قید کرلیتے، جب لوگ شاہ صاحب سے ان باتوں کا شکوہ کرتے تو شاہ صاحب فرماتے کہ صبر سے کام لو، اس میں تمھارے لئے ثواب ہے، یہ کانٹے جو تمھارے لئے بچھا رہے ہیں دراصل اپنے حق میں بو رہے ہیں، اللہ تعالی کے حکم سے وہاں کی ساری برادری تباہ ہوگئی، سید محمد ہدی، فرزند حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے عہد میں ان میں سے ایک آدمی زندہ تھا وہ بھی سیلابِ فنا کے نذر ہوگیا۔ (۱)

قصبہ نصیر آباد و پرگنہ روکھا کے چودھری و رؤساء اس قصبہ کے اشراف خصوصاً سادات پر بہت مظالم کر رہے تھے اور سب لوگ ان کی چیرہ دستیوں سے عاجز اور پریشان تھے، ایک دفعہ یہ لوگ تکیہ آئے اور طالبِ دعا ہوئے، سید شاہ علم اللہؒ نے فرمایا کہ خدائے قہار منتقم حقیقی ہے، اور وہ عنقریب تمھاری مدد کرے گا۔ اللہ تعالی نے شاہ صاحب کی دعا قبول فرمائی، ان ہی ایام میں راجہ موہن سنگھ نے حملہ کر کے ان تمام چودھریوں کو ذلیل و خوار کر کے نکال دیا اور ان کے آثار و باقیات بھی باقی نہ چھوڑے۔ (۲)

---

(۱) و (۲) تذکرۃ الابرار

تسلیم و رضا

سید شاہ علم اللہؒ کی زندگی میں عزیمت اور استقامت کی جو شان پائی جاتی تھی اس کا ایک بہت بڑا مظاہرہ ان کے محبوب فرزند سید ابو حنیفہ کے انتقال کے وقت ہوا، سید ابو حنیفہ نے ۳۲ سال کی عمر میں انتقال کیا لیکن گھر سے کوئی آواز بھی ایسی نہیں سنی گئی جس سے اس واقعہ کا علم ہوتا، اہلِ خانقاہ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، شاہ صاحب نے صبح کی نماز سب کے ساتھ پڑھی، نماز کے بعد خلافِ معمول مصلے سے اٹھ کر دروازے تک آئے اور خدّام خاص میں سے ایک کو بُلا کر فرمایا، رات میاں ابو حنیفہ کا انتقال ہو گیا، تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا چاہیۓ، اسی دن دفن کرنے کے بعد متوجہ ہو کر فرمایا، الحمد للہ میاں ابو حنیفہ اس دنیا سے دولتِ ایمان کے ساتھ گئے۔

ایک ضعیفہ روزانہ چرخہ چلایا کرتی تھیں، گھر تشریف لے گئے، فرمایا آج چرخہ کیوں بند ہے؟ ان بڑی بی نے عرض کیا: حضرت! ایسا لائق و جوان بیٹا دنیا سے اٹھ جائے اس کے غم میں چرخہ بھی بند نہ کریں، فرمایا یہ سب قضا و قدر کی باتیں ہیں، اللہ کے حکم میں کسی کو دم مارنے کا چارہ نہیں، زندگی مستعار ہے، راضی برضا رہنا چاہیۓ، تم اپنا کام بند مت کرو۔(۱)

استغنا و بے نیازی

سید شاہ علم اللہؒ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی جاگیر یا روزینہ قبول نہ کیا اور باوجود اس کے کہ اکثر مشائخ و اصحابِ خانقاہ اورنگ زیب کی علم دوستی و قدر دانی سے حظ وافر حاصل کر رہے تھے، اور ان کے پر خلوص اور گرانقدر عطیات خانقاہ کے مقیمین نیز مہمانوں اور علاقہ کے حاجتمندوں کے لئے بڑی سہولت و کشائش کا باعث تھے، اور اس سے معاشی و مالی حیثیت سے بڑی مدد ملتی تھی، انھوں نے اس کو اپنے لئے یا اپنے

(۱) سیرت سید احمد شہیدؒ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

خاندان کے لئے حتی کہ اپنے اہلِ تعلق کے لئے بھی کبھی گوارا نہ کیا، اور جس طرح متاعِ دنیا سے دامن جھاڑ کر نصیر آباد سے رائے بریلی آئے تھے اسی شان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

ایک واقعہ سے جس کا ذکر آگے آئے گا یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے اصرار اور خواہش اور ان کی مسلسل معذرت کی وجہ سے اورنگ زیب ان سے مایوس ہو گیا تھا اور اس کو یقین ہو گیا تھا کہ ان سے اس سلسلہ میں کچھ زیادہ کہنا بے کار ہے۔

''نتائج الحرمین'' میں ہے کہ ایک مرتبہ میر عثمان شاہجہاں پوری نے شیخ سلطان ساکن بلیا(۱) اور شاہ علم اللہؒ کی تنگی کے بارہ میں (جو ان کے پیر بھائی تھے) عالم گیر کو رقعہ لکھا، عالم گیر نے شیخ سلطان کی خانقاہ کے لئے فوراً روزینہ مقرر کر دیا، لیکن اسے معلوم تھا کہ شاہ علم اللہؒ روزینہ قبول نہیں کریں گے، اس لئے حکم دے دیا کہ جس مال سے خود ہمارے کھانے کا انتظام ہوتا ہے اس میں سے سو روپیہ بطورِ نذر شاہ صاحب کے ہاں پہنچا دئے جائیں، شاہ صاحب کو معلوم تھا کہ نذر وجہِ حلال سے آئی ہے اور نذر کرنے والا وہ سلطان ہے جس سے بڑھ کر صاحبِ تقویٰ سلطان کم از کم ہندوستان کے تخت پر نہیں بیٹھا بایں ہمہ نذر لوٹا دی۔(۲)

آخری ایام

گزشتہ صفحات میں بار بار اس کا ذکر آچکا ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ بدعت کے معاملہ میں کس قدر ذکی الحس اور باریک بیں تھے، آخری ایام میں اس بات نے اتنی شدت اختیار کی کہ وقت کا بیشتر حصہ بلکہ سارا وقت مسجد اور گھر کے درمیان ہی گزرنے لگا، اور عمومی ملاقاتوں اور مجلسوں سے عملاً کنارہ کشی اختیار کرلی۔ شاہ صاحب کے

---

(۱) یہ بلیا بہار میں مونگیر کے قریب دریا پار ہے، اب اس کا مشہور نام ''دلکھمنیا'' ہے جو بیگو سرائے کے قریب ہے۔ حضرت شیخ سلطان کا مزار مسجد کے قریب موجود ہے، ان کا خاندان اسی قصبہ میں مقیم ہے۔

(۲) سید احمد شہیدؒ مؤلفہ غلام رسول، ص: ۲۴ بحوالہ نتائج الحرمین۔

چھوٹے صاحبزادہ حضرت سید محمد (جو ان کے خلیفہ اور معتمد ومشیر بھی تھے اور شاہ صاحب کو ان سے بہت خاص تعلق تھا) ان ملاقاتوں میں شاہ صاحب کی نیابت کرتے تھے اور واسطہ بنتے تھے، کچھ عرصہ تک یہ معمول رہا کہ اگر کوئی ملنے آتا تو پہلے سید محمدؒ کو بھیج دیتے کہ وہ اس کا اندازہ لگالیں کہ اس کے خیالات کیسے ہیں اور کیوں ملنا چاہتا ہے، سید محمدؒ جیسا بتاتے اس پر عمل کرتے، ان کا ذوق ورجحان سید شاہ علم اللہؒ سے اس قدر مشابہ تھا کہ ان کی رائے اکثر وہی ہوتی جو ان کے والد کی ہوتی۔

شاہ صاحبؒ نے ایک رسالہ ''قوت العمل'' (۱) کے نام سے لکھا تھا اور اس میں عقائد، ایمانیات، اصلاحِ اعمال، اتباعِ سنت پر مختصر اور جامع طریقہ پر روشنی ڈالی تھی، اس کے بعد یہ معمول ہو گیا کہ جو ملنے آتا اس کو یہ رسالہ سید محمدؒ کے ہاتھ باہر بھیج دیتے، پڑھا لکھا آدمی ہوتا تو وہ رسالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جاتا، اگر غیر تعلیم یافتہ ہوتا تو سید محمدؒ پڑھ کر اس کو سناتے۔

تقلیلِ غذا

مولانا محمد نعمان صاحبِ ''اعلام الہدیٰ'' اپنے والدِ ماجد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آخری ایام میں غذا بالکل کم بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ترک کر دی تھی۔

وفات

سید شاہ علم اللہؒ کی پیدائش ۱۲/ربیع الاول کو ہوئی تھی، بچپن ہی میں والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا اور ماموں نے پرورش کی تھی، اس طرح ان کی زندگی کا آغاز ہی سنت سے ہوا، پوری عمر پیرویٔ سنت اور اشاعتِ سنت میں گزری اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وکرم کی عجب شان ہے کہ ان کی وفات بھی اس عمر میں ہوئی جس عمر میں جناب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تھی۔

---

(۱) اس رسالہ کا ذکر آگے ملے گا۔

"تذکرۃ الابرار" میں ہے کہ سید شاہ علم اللہؒ کی بہت آرزو تھی کہ ان کی عمر حضور ﷺ کی عمر سے متجاوز نہ ہو، اور آخری وقت یہ سعادت بھی ان کو حاصل ہو، چنانچہ ۹ / ذی الحجہ ۱۰۹۶ھ کو ۶۳ / سال کی عمر میں وفات پاکر حیاتِ جاوِدانی حاصل کی، اور اللہ کا یہ بندہ جس نے زندگی بھر سنت، عزیمت اور مجاہدہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور کسی سنت، مستحب اور اولی سے منہ نہ موڑا، اپنے "محبوبِ حقیقی" سے جا ملا ؎

چیست ازاں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

اورنگ زیب کا خواب

اورنگ زیب عالم گیر نے اسی تاریخ کو یہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، اور فرشتے جنازہ مبارک کو آسمان کی طرف لئے جارہے ہیں، بادشاہ کو بہت تردد پیدا ہوا اور اس نے علماء صلحاء سے اس کی تعبیر معلوم کرنی چاہی، انھوں نے کہا کہ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رات کو سید محمد علم اللہؒ (جو اتباعِ سنت میں رسول اللہ ﷺ کے قدم بہ قدم ہیں) کا انتقال ہوگیا ہے، بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ تاریخ لکھ لی جائے، اس کے بعد ہی وقائع نگار نے اطلاع دی کہ سید شاہ علم اللہ کا اسی شب کو انتقال ہوا۔

اورنگ زیب نے بعد میں دریافت کیا کہ یہ خواب سنتے ہی یہ تعبیر ان کے ذہن میں کیسے آئی؟

انھوں نے جواب دیا کہ اتباعِ سنت میں کوئی دوسرا آدمی ان کا ہمسر نہیں، شرف فرزندی کے ساتھ اتباعِ سنت و عشقِ رسول ﷺ کی دولت اور سنن و مستحبات کے اس درجہ اہتمام والتزام میں وہ اکثر علماء و مشائخ سے فائق نظر آتے ہیں۔(۱)

---

(۱) تذکرۃ الابرار و بحرِ زخار وغیرہ، در المعارف ملفوظات حضرت شاہ غلام علیؒ میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

باب پنجم

ارشادات وملفوظات

سید شاہ علم اللہؒ کے اوصاف وکمالات کی کچھ تفصیل گزشتہ صفحات میں پیش کی گئی ہے۔ اس باب میں ان کے چند ارشادات وملفوظات نقل کئے جاتے ہیں، جو اتباعِ سنت، معرفت وولایت، صفائی باطن، صبر کی حقیقت، محبت کے درجات اور اس قسم کے دوسرے مضامین پر مشتمل ہیں، افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی بڑا ذخیرہ ہمارے پاس موجود نہیں، معلوم نہیں کہ وہ گردشِ ایام کی نذر ہو گیا اور اب ہماری دسترس سے باہر ہے یا کسی قدیم اور دور افتادہ کتب خانہ کی بوسیدہ الماریوں میں محفوظ اور سورج کی روشنی سے محروم ہے، ہمارے ہاتھ میں جو مختصر مجموعہ ہے وہ مصنف ''نتائج الحرمین'' کا مرتب کردہ ہے اور صرف یہی حوالہ اس کے قابلِ اعتبار اور کامل المعیار ہونے کے لئے کافی ہے۔ (۱)

بہر حال اس کا جو کچھ حصہ اس وقت ہمارے پاس ہے اس میں ایک طالبِ صادق اور جویائے حق کے لئے خاصا سامان موجود ہے، اور نگاہِ بصیرت اپنے لئے اس سے بھی کحل الجواہر تیار کر سکتی ہے، دل کی سرد انگیٹھیوں کے سُلگانے کے لئے بعض اوقات ایک آدھ چنگاری اور ایک آدھ پھونک بھی کام کر جاتی ہے بشرطیکہ ان پر پانی نہ پڑ چکا ہو۔

---

(۱) یہ مجموعہ جناب سید احمد شاہ نقوی بن مولانا سید حامد شاہ نقوی قاضی شہر رام پور نے والد ماجد حکیم ڈاکٹر مولانا سید عبد العلی حسنیؒ کی خدمت میں اپنے کتب خانہ سے نقل کروا کے ۱۹۴۲ء میں ارسال کیا تھا، اس وضاحت ان کے مرسلہ مبیضہ میں موجود ہے۔

یہ ارشادات وملفوظات اور حقائق و معارف ایک ایسے عالمِ باعمل، عارف باللہ اور شیخ وقت کی زبان سے ادا ہوئے ہیں جس کی پوری زندگی قال سے زیادہ حال تھی اور جس کی میزان اعتدال (سنت و شریعت) صحیح و سقیم، اصل و نقل اور جوہر و عرض میں خوب تمیز کرتی تھی اور جادۂ شریعت و سنت سے سرِ مو انحراف بھی اس کو قبول نہ تھا۔

سنت کا غایت درجہ اہتمام

ان ملفوظات کے مرتب اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ کے روز آفتاب نکلنے کے بعد حضرت سید شاہ علم اللہؒ اپنے مکان کی طرف روانہ ہوئے، یہ فقیر بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوا، جب دروازہ کے قریب پہنچے تو رخصت ہونے کے لئے فرمایا: السلام علیکم، اس فقیر نے سلام کے جواب کے ساتھ از راہِ تواضع اپنا سر بھی خفیف سا خم کر دیا، لیکن یہ بھی برداشت نہ ہوا، فرمایا: کہ سر خم کرنا اچھا نہیں ہے، اور خواص کو اس عمل سے بالکل اجتناب کرنا چاہئے، جس میں عوام الناس بغیر سند و دلیلِ شرعی کے گرفتار ہیں۔

عید الاضحیٰ کے خطبہ کے بعد حاضرین سے متوجہ ہو کر فرمایا کہ خطبہ میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہ سمجھ میں آئیں؟ پھر ضروری مسائل مختصر بیان کیے اور مسجد سے اٹھ کر باہر تشریف لائے مسجد کے شمال مشرقی گوشہ میں (۱) جہاں ان کے فرزند سید ابو حنیفہؒ کی قبر تھی وہاں کھڑے ہو کر کچھ دیر فاتحہ میں مشغول رہے اور اس کے بعد گھر کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت ایک شخص عقیدت مندانہ ملاقات کو حاضر ہوا، اس کی مونچھیں بہت دراز تھیں، آپ نے ایک دوست سے قینچی طلب فرمائی، جب قینچی آ گئی تو اس کی مونچھوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: مونچھیں ترشوانے کا فائدہ معلوم ہے؟ اس نے

---

(۱) ایک مربع چبوترہ پر دو قبریں ہیں۔ ایک مذکورہ بالا بزرگ سید ابو حنیفہؒ کی، دوسری حضرت سید احمد شہیدؒ کے والد ماجد سید محمد عرفان بن سید محمد نورؒ کی۔

جواب دیا کہ نہیں، شاہ صاحب نے فرمایا: من قصر شاربه أعطاه الله أربعة أنوار: نور في وجهه و نور في قلبه و نور في قبره و نور يوم القيامة، **اور مونچھیں بڑھانے کی سزا یہ ہے:** من طول شاربه عوقب بثلاثة عقاب: لم يشرب حوضي، و لم ينل شفاعتي، و سلطه الله تعالى منكرا و نكيرا بالغضب.

اس کے بعد فرمایا کہ حوض کوثر میرے نبی اور آپ کی امت کا خاصہ ہے، ایسی دولت کو محض موئے لب کے لئے ہاتھ سے گنوانا عقلمندوں کا کام نہیں، پھر فرمایا کہ بڑی مونچھیں صرف کافروں یا رافضیوں کو پسند ہوسکتی ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وماخلقت الجن والإنس إلا ليعبدون. آدمی کی خلقت عبادت کے لئے ہے نہ کہ بدعت اور ہوا پرستی کے لئے۔

حرمِ قلب

فرمایا کہ طالب کو جس طرح زبان سے سوال کرنا ممنوع ہے اس سے کہیں زیادہ دل سے سوال کرنا بھی ممنوع ہے۔ السؤال ذل (سوال ذلت ہے) کا اثر صرف انسانوں تک محدود رہتا ہے اور دل کے سوال سے حضوریٔ قلب میں خلل واقع ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے: "قلب المؤمن حرم الله، حرام يلج فيه غير الله." یعنی مؤمن کا دل خدا کا حرم ہے، حرام ہے کہ اس میں خدا کے سوا کوئی اور چیز داخل ہو، طالبانِ حق کو چاہئے کہ تمام عمر اسی جد و جہد میں گزاریں کہ دل ماسوی اللہ سے خالی ہو۔ اگر اسی جہاں میں یہ دولت مل جاتی ہے تو زہے سعادت، اور اگر نہیں ملتی تو اسی طلب میں مردانہ وار جان دے دیں، اس لئے کہ جو ان حجابات کے دور کرنے اور واصلِ حق ہونے میں جان دے گا امید ہے کہ مرنے کے بعد یہ حجاب اس سے اٹھالیا جائے گا اور عشق و محبت کی جو ترقی یہاں نہ ہوسکی تھی وہ شوق و طلب کی برکت سے وہاں حاصل ہوجائے گی

در مذہب طریقت ہستی نشان کفر است
آرے طریقِ دولت چالاکی است وچستی

عشق اور محبت

ایک مرتبہ مختلف فیوض ومعارف کے درمیان عشق اور محبت پر بھی کلام فرمایا، ارشاد ہوا کہ محبت متعدد ہے اور عشق خاص ہے، چنانچہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کا لفظ اپنے اصحاب وازواج کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے، لیکن عشق کے لئے جو خلّت سے عبارت ہے صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، "لو کنت متخذا خلیلا لاتخذتُ أبا بکر خلیلا ولکن اللّٰه خلیلی." اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اہل اللہ اگرچہ صورت محبت میں تمام دوستوں اور محبین کو شریک رکھتے ہیں لیکن ان کے دل میں خدا کی محبت وعشق کے سوا کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی، اس کے علاوہ جو محبت حق کیلئے خلق کے ساتھ ہوتی ہے وہ بھی محبت حق ہی میں شامل ہے، زبان گہر بار سے یہ شعر بھی ارشاد ہوا ؎

حافظ ہر آں کہ عشق نورزید ووصل خواست
احرام طوف کعبہ دلے بے وضو بہ بست

اس فقیر نے دریافت کیا کہ یہ محبت بندہ کی سعی سے بھی حاصل ہوتی ہے یا محض فضلِ حق سے، ارشاد ہوا کہ کوئی چیز فضل حق کے بغیر ممکن نہیں، دو رکعت نماز ہے تو وہ بھی اللہ کے فضل سے ہے، ہزار رکعت ہے وہ بھی خدا کے فضل سے ہے، ہماری بصارت اور سماعت، ہماری گویائی اور جتنے نیک کام ہم سے صادر ہوتے ہیں وہ سب اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں، ہم کیا ہیں اور ہماری ہستی کیا ہے، ہم جو کچھ ہیں اسی سے ہیں اور اسی کے ہیں۔

صبر کی حقیقت

ایک مجلس میں صبر پر بہت طویل اور عجیب کلام فرمایا، اس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے، فقیر نے اکی موقع پر نماز مغرب کے بعد دریافت کیا کہ حدیث "لا یؤمن أحدکم حتی یحب لأخیه ما یحب لنفسه" کے کیا معنی ہیں؟ حضرت شاہ صاحب نے بہت سادگی سے اس کے لفظی معنی بیان کردئے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اس کے لفظی معنی تو معلوم تھے، حقیقت ارشاد فرمائیں، فرمایا کہ جب "موتوا قبل أن تموتوا" (۱) کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو آدمی سب کو اپنے سے بہتر سمجھنے لگتا ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اگر سختی میں اپنا نفع نظر آئے تو نفس پر سختی کرنا چاہئے، فرمایا کہ نہیں، ہوسکتا ہے کہ اس میں اتنی استعداد نہ ہو، اور وہ اس سختی پر صبر نہ کرسکنے کی وجہ سے خدا سے دور ہوجائے، ہاں اگر صبر کرسکے تو یہ سختی اس کے حق میں عین نعمت و راحت ہے۔ اس کے بعد یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ دو ماہی گیر، ایک کافر، ایک مؤمن، دجلہ کے کنارے مچھلی کے شکار کے لئے گئے۔ مؤمن ہر مرتبہ اللہ کا نام لے کر اپنا جال دریا میں ڈالتا تھا اور ہر مرتبہ اس کا جال خالی واپس آتا تھا اور کافر ہر بار اپنے معبودوں کا نام لے کر جال ڈالتا تھا اور جب اس کو باہر نکالتا تھا تو اس میں مچھلیاں ضرور ہوتی تھیں، شام کے وقت صرف ایک مچھلی مؤمن کے جال میں آئی اور وہ بھی جال سے نکل گئی۔ کافر کے پاس مچھلیوں کا ڈھیر ہوگیا تھا اور مؤمن ماہی گیر اس حال پر بہت شرمندہ اور حیرت زدہ تھا۔ اس کافر نے اس کا حال دیکھ کر کہا کہ خالی ہاتھ واپس نہ جاؤ، یہ مچھلیاں ہمارے گھر پہنچادو، اس کی مزدوری تمھیں مل جائے گی، فرشتوں کے اس کے حال پر بہت رحم آیا اور انھوں نے خدا کے حضور میں عرض کیا کہ بارِ الہا! اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ کے نام پر جو جال ڈالا جاتا تھا وہ خالی نکلتا تھا اور معبودانِ

---

(۱) ترجمہ: مرنے سے پہلے مرجاؤ۔

باطل کا نام پر جو جال کا فر ڈالتا تھا اس میں خوب مچھلیاں آجاتی تھیں، حق تعالی کا ارشاد ہوا کہ مؤمن جتنی بار جال پانی میں ڈالتا تھا اور اس کے خالی آنے پر ملول وشکستہ خاطر ہوتا تھا اتنی ہی بار میں اس کی شکستہ دلی کی وجہ سے بہشت میں اس کو ایک نیا درجہ عطا کرتا تھا۔(۱) اور جب وہ کافر بتوں کے نام پر جال ڈالتا تھا اور مچھلیاں آنے پر خوش ہوتا تھا تو میں اس کی اس خوشی کے بقدر جہنم میں ایک اور درجہ دینے کا حکم دیتا تھا ؎

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست
کس را رسد نہ چون و چرا در حضورِ ما

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی غریب مسلمان بازار جاتا ہے اور بازار کی نعمتیں دیکھتا ہے، لیکن اپنی تنگ دستی کی وجہ سے خرید نہیں سکتا اور اس پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے صبر کے معاوضہ میں جنت میں اس کو نیا درجہ عطا فرماتا ہے۔

اسی مجلس میں حکایت بیان فرمائی کہ ایک بار سلطان ابراہیم ادہمؒ حج کے لئے آئے ہوئے تھے، قربانی کے دن حجامت بنوانے کی ضرورت ہوئی اور ایک حجام سے بات کی لیکن جس وقت اس نے بال کاٹنے شروع کئے اسی وقت ایک مال دار آدمی جو اس کو ایک دینار اجرت دینے پر تیار تھا آگیا اور اس نے اس سے کہا کہ میری حجامت بنادو، پیسہ کی لالچ میں وہ ابراہیم ادہمؒ کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوگیا اور جب اس سے فارغ ہوا تو پھر ان کی طرف آیا، ابھی تھوڑے ہی بال کاٹے تھے کہ ایک اور صاحبِ دینار آگیا اور وہ حجام ان کو چھوڑ کر پھر اس کے بال کاٹنے میں مشغول ہوگیا، غرض پانچ یا چھ مرتبہ یہ قصہ پیش آیا، آخر کسی نہ کسی طرح وہ جب سلطان ابراہیم ادہمؒ

---

(۱) ؎
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

کے بال کاٹ کر فارغ ہوا تو انھوں نے اس کو مزدوری دُگنی دی، وہ یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور حیران ہوا کہ میں نے تو ان کو اتنا پریشان اور ذلیل کیا اور یہ الٹی مجھے دگنی مزدوری دے رہے ہیں۔ اس نے پوچھا: اے درویش! آپ مجھے دو چند اجرت کیوں دے رہے ہیں؟ میں نے تو طمعِ دنیاوی اور اہلِ دنیا کے خوف سے آپ کی حق تلفی کی تھی، مجھے تو آپ سے کچھ بھی ملنے کی امید نہ تھی، اگر دنیا ہی ہے تو جتنا سب دیتے ہیں، وہ آپ بھی دے دیں، دو چند دینے کی کیا وجہ ہے؟ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے جواب دیا: اجرت تو حقِ محنت ہے اور زیادتی اس بات کی کہ جب تم مجھے چھوڑ کر کسی مالدار کی حجامت بنانے کے لئے جاتے تھے تو میرے نفس میں شدید غصہ اور اشتعال پیدا ہوتا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ تم کو کچھ کہہ دے، لیکن میں نے اپنے نفس کو شکست دینے کے لئے صبر سے کام لیا، اور صابرین کا درجہ بہت بڑا ہے، اور یہ سب مجھے تمھاری بدولت حاصل ہوا، اس لئے درحقیقت تم میرے دوست ہو، اور اجرت میں اضافہ کی یہی وجہ ہے، اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے فرمایا:

اے بھائیو! درویشوں کے اخلاق یہ تھے، ماتم تو ہم جیسوں کو کرنا چاہئے جو لباس درویشوں کا پہنتے ہیں اور کام سرکشوں و فرعونوں کا کرتے ہیں اور غرور نفس کا شکار ہیں۔

اسی نشست میں یہ بھی فرمایا کہ اے عزیزو! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا ماتم کرنا چاہئے اور نظر ہر دم خدا کے فضل و کرم پر رکھنی چاہئے اور اپنے نفس کے بود و پندار سے باہر آنا چاہئے کہ خدا کے فضل کے بغیر سب ہیچ در ہیچ ہے۔

کمالِ معرفت

ایک حاضرِ مجلس نے ایک موقع پر سوال کیا کہ کمالِ عارفان کیا ہے؟ شاہ صاحب نے جواب دیا: وصلِ یاس، اس کی ذات عالی کی یافت سے ناامید ہو جانا بھی

یافت ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے: "العجز عن درك الإدراك إدراك" فقیر نے پوچھا اس معاملہ میں خواص وعوام میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ بہت بڑا فرق ہے، اس لئے کہ عوام اپنے عجز سے ناواقف ہیں، بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ہمارا وجود اور قیام کس سے ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خود سے دیکھتے ہیں، خود سے بولتے ہیں، وہ ہر چیز اپنے ہی سے سمجھتے ہیں، ایسے لوگ مثل فرعون کے ہیں، خواص دید وشنید، گفتار وکردار، گوشت پوست غرض ہر چیز کو خدا سے سمجھتے ہیں اور تمام اعمال واحوال میں اپنے کو عاجز ودرماندہ محسوس کرتے ہیں۔

اولیاء کی علامت

ایک مرتبہ فقیر نے دریافت کیا کہ اولیاء کی پہچان کیا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی: "إن أولياؤه إلا المتقون و لكن أكثر الناس لا يعلمون" (نہیں ہیں اس کے دوست مگر متقی اور اس کا پاس ولحاظ کرنے والے، لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے)۔

فنا وبقا

ایک روز اشراق کی نماز کے بعد خواجہ حافظ کا شعر ارشاد فرمایا ؎

عکس روئے تو چو در آئینۂ جام افتاد
عارف از خندۂ مے در طمع خام افتاد

پھر فرمایا کہ اس فقیر کے خیال میں عارف کی جگہ طالب کا لفظ زیادہ موزوں ہے، اس لئے جو شخص طمع خام کا شکار ہو اس کو عارف کیسے کہیں گے بلکہ یہ تو اس متوسط درجہ کے طالب وسالک کا مقام ہے جو نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت تک پہنچنے کے بعد غلبۂ محبت کی وجہ سے اس کو نورِ الٰہی سمجھ لیتا ہے اور مخلوقات کو معدوم خیال کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ جو کچھ "بود" نظر آتا ہے وہ درحقیقت نابود اور غیر موجود ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ مقام فنا فی اللہ کا ہے اور اکثر اولیاء کو یہی نصیب ہوتا ہے، ولایتِ خاصہ اسی کو کہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے کوئی لوہا آگ کی بھٹی میں سُرخ ہونے کے بعد خود کو آگ کہنے لگے، حالانکہ فی الحقیقت وہ آگ نہیں ہے، لیکن اس حال میں وہ اپنے کو آگ سمجھنے میں معذور ضرور ہے، البتہ جب کسی کو حق تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم اور متابعتِ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی برکت سے اس مقام سے ترقی نصیب فرماتا ہے اور امرِ الٰہی اور متابعتِ حضرت رسالت پناہی کے مطابق وہ نورِ الٰہی اور نورِ محمدی دونوں کا مرتبہ و مقام سمجھنے لگتا ہے، تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ان تمام موجودات کی بقاء حق سے ہے اور وہ خود اس کی بقا سے باقی اور اس کی قدرت سے موجود ہے، اور کائنات کا ہر ذرہ اس سے وابستہ اور مربوط ہے، اب بقا باللہ کا مرتبہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے اور عارفین کا کمال اسی مقام میں ہے۔

جذب وسلوک

جذب وسلوک یا تلوین و تمکین کا ذکر تصوف کی کتابوں میں بار بار آتا اور اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے، سید شاہ علم اللہؒ نے بہت مختصر الفاظ میں اس کی واضح تشریح کی ہے اور دونوں کے کیفیات و درجات کو بیان کیا ہے، فرماتے ہیں:

> ''تلوین کے ساتھ دو چیزیں اور ہیں، ابن الوقت اور سکر، اسی طرح تمکین کے ساتھ بھی دو چیزیں ہیں، ابو الوقت اور صحو۔ اول الذکر طریق کا سالک وقت کا پابند اور حال کا محتاج ہوتا ہے، جب کوئی کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے، اس سے مغلوب ہو جاتا ہے اور بے خودی میں ڈوب جاتا ہے۔ ابو الوقت اور صاحبِ صحو، صاحبِ وقت ہوتا ہے، وہ کیفیات اور حال کا پابند نہیں ہوتا، جس وقت چاہتا ہے کیفیت اس پر غالب ہو جاتی ہے اور جس

وقت چاہتا ہے زائل ہوجاتی ہے، اس کا یہ کام ہشیاری و بیداری
اور مطابقتِ امرِ باری میں ہوتا ہے، یہ حالت کمالِ حضور اور ہر
وقت نور کی علامت ہے۔"

ایک نکتہ

ایک موقعہ پر فرمایا کہ معرفت کے بیان میں: "کل لسانہ" اور "طال لسانہ" دونوں باتیں بیان کی گئی ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ "من عرف ربہ کل لسانہ" (جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان بند ہوگئی) بھی صحیح ہے اور "من عرف ربہ طال لسانہ" (جس نے اپنے رب کو پہچان لیا اس کی زبان چلنے لگی) بھی درست ہے، "طال لسانہ" سے اشارہ صفات الٰہی کی طرف ہے، جس نے جو کچھ کہا یا لکھا ہے وہ سب صفاتِ الٰہی کے ظہور کے متعلق ہے اور "کل لسلانہ" سے اشارہ ذاتِ الٰہی کی طرف ہے، جہاں سوائے عجز کے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں، پس طالبانِ حق کو چاہیے کہ اس ذات عالی کو ہر قسم کے وہم و خیال و ادراک سے بالا و منزہ سمجھیں اور اس کی ذات کے چوں و چرا اور کیفیت میں دم نہ ماریں۔

ایک آیت کی تشریح

اسی مجلس میں فرمایا کہ میں اس آیت: "ما أصابك من حسنة فمن الله و ما أصابك من سيئة فمن نفسك" (۱) کا مطلب ایک عزیز سے دریافت کیا، انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے بعد فقیر کے دل میں یہ آیا کہ نفس کی مثال اس پانی کی طرح ہے جو ہمیشہ نشیب کی طرف جاتا ہے اگر کوئی حکیم و صناع اپنے علم و حکمت سے اس کو بلندی کی طرف لے جائے تو یہ اس کے کمالِ حکمت و صنعت کی بات ہوگی،

---

(۱) ترجمہ: تم کو جو کچھ اچھائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو کچھ بُرائی پہنچتی ہے وہ تمھارے نفس کی طرف سے ہے۔

اس میں پانی کی قابلیت وصلاحیت کو کچھ دخل نہ ہوگا۔

خوارق وکرامات حجابِ راہ

ایک مرتبہ کشف وکرامات اور خوارق کا ذکر تھا، شاہ صاحب نے خواجہ بایزید بسطامیؒ کا تذکرہ فرمایا کہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے راستہ میں ایک نہر حائل تھی، اس کے قریب پہنچتے ہی اچانک اس میں صاف راستہ بن گیا، حضرت خواجہ نے یہ دیکھ کر فرمایا: "هذا مكر الله، هذا مكر الله" اس کے بعد انھوں نے اللہ سے دعا کی کی یہ نہر اسی حالت میں ہوجائے۔ بندہ لوٹ جائے گا یا کوئی دوسرا راستہ اختیار کرلے گا، لیکن تیری آزمائش سے ڈر معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ جب سلطان العارفین کو کرامت سے اس درجہ خوف اور گریز تھا اور خدا کی شانِ بے نیازی سے وہ اس قدر ترساں ولرزاں رہتے تھے تو دوسرے کس شمار میں ہیں، طالبِ حق کو چاہئے کہ اللہ جل جلالہ کے سامنے حضور درحضور کے سوا کسی اور چیز کا طلب گار نہ ہو، "كل ما شغلك عن الله فهو صنمك" (جو چیز تمھیں اللہ سے مشغول کردے وہی تمہارا بُت ہے)۔

صبر وعزیمت

صبر وعزیمت، سید شاہ علم اللہؒ کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے اور اتباعِ سنت کے بعد کی پوری سیرت اسی سے عبارت تھی، شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے ملفوظات میں اس کا ذکر بار بار اور تفصیل سے ملتا ہے۔ ذیل میں ایک طویل مجلس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے جو زیادہ تر ان ہی مضامین پر مشتمل ہے۔

فرمایا: طالب تحقیق کو جب تک لوگ زندیق نہ کہیں وہ مرتبہ ومقامِ صدیق تک نہیں پہنچ سکتا۔ پیغمبر اور اولیاء اللہ سب نے اپنے اپنے دور میں منکرین وحاسدین کے ہاتھوں بے حد وحساب سختیاں اور تکلیفیں برداشت کیں ہیں اور اس کے بعد ان

صابرین کے درجات ان کو حاصل ہوئے جن کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"إنما يوفى الصابرون أجرهم بغير حساب."

مزید فرمایا کہ بندہ دو حال سے کبھی خالی نہیں ہوتا، یا تو وہ اس حال کے لئے ساز گار ہوتا ہے، مثلاً مال، نعمت اور وجاہت اس کو میسر ہوتی ہے، یا ناساز گار ہوتا ہے، اور دونوں حالتوں میں اس کو صبر کی حاجت ہے، اگر حالات اس کے موافق ہیں، تندرستی مال و اولاد اور دلی مُرادیں اس کو حاصل ہیں تو اس کو چاہئے کہ ان سے دل نہ لگائے، اس کو بڑھانے کی ہوس نہ کرے اور یہ سمجھے کہ یہ سب عاریت ہے اور بہت جلد اس سے جُدا ہو جائے گا، جو احوال اس کے موافق نہیں، ان کی تین قسمیں ہیں: اول قسم وہ ہے جس میں اس کو اختیار دیا گیا ہے، جیسے طاعت و ترکِ معصیت۔ طاعت و ترکِ معصیت دونوں میں اس کو صبر کی ضرورت ہے، طاعت کا آغاز، درمیان اور آخر تینوں حالتوں میں صبر کا کام ہے۔ اولاً یہ کہ نیت کو درست کرے، دل کو ریا سے پاک کرے، اور یہ دونوں چیزیں بہت صبر چاہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ طاعت کے شرائط و آداب کا پورا خیال رکھے اور اس میں کسی اور چیز کی آمیزش نہ کرے، مثلاً اگر نماز میں ہے تو نہ کسی طرف دیکھے، نہ کسی بات کو سوچے، طاعت کے آخر کا صبر یہ ہے کہ ان طاعات کے اظہار اور ان پر عُجب سے باز رہے، معاصی میں صبر کی اہمیت ظاہر ہے اور بلا صبر کے ان سے چھٹکارا ممکن ہی نہیں، شہوت جتنی قوی تر ہوگی معصیت اتنی ہی آسان تر، اور صبر اسی قدر دشوار تر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب میں کسی بندہ کے جان و مال اور فرزند و عیال پر کوئی مصیبت نازل کرتا ہوں اور وہ صبر سے کام لیتا ہے تو مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس کا حساب کروں اور اس کو میزان و دیوان کے حوالہ کروں، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ سے فرمایا کہ جس بندہ کی بینائی میں سلب کر لیتا ہوں جانتے ہو اس کو اس کا کیا بدلہ دوں گا؟ انھوں نے عرض کیا آپ زیادہ جاننے والے ہیں! ارشاد ہوا میں

اس کو اپنے دیدار سے نوازوں گا۔

رسالہ ''قوت العمل''

سید شاہ علم اللہؒ کی تصنیفات و رسائل میں صرف تین چیزوں کا ذکر ملتا ہے، ''قوت العمل''، ''عطیات'' اور ''عنایت الہادی''۔ ''قوت العمل'' اور ''عطیات'' ہمارے پاس موجود ہیں، ''عنایت الہادی'' کے متعلق کچھ علم نہ ہوسکا کہ وہ موجود اور محفوظ ہے یا نہیں۔

''قوت العمل'' شاہ صاحبؒ کا سب سے بڑا اور اہم رسالہ ہے جو بڑے سائز کے ۷۵ رصفحات پر مشتمل ہے، اور راقم السطور کے جد امجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ یہ رسالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ بابِ اول میں پانچ فصلیں ہیں، پہلی فصل اہلِ عصیان، فساق ومبتدعین سے اعراض اور ان کے مقاطعہ کے بارہ میں ہے، دوسری صالحین اور اہلِ تقوی کی محبت و رفاقت کی ترغیب میں، تیسری امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بارہ میں، چوتھی فصل' سلام کے بیان اور آداب وکورنش کی ممانعت میں، پانچویں فصل' تعظیم و قیام کے بارہ میں۔ دوسرا باب تمبا کو کی کراہت پر اور تیسرا باب' رفعِ سبابہ پر، چوتھا باب' احاطہ ذاتی وصفاتی، اور پانچواں باب' علم وعرفانِ الٰہی پر، مؤخر الذکر باب مدینہ منورہ کے دورانِ قیام کے واردات ومکشوفات پر مشتمل ہے، اور اس کا نام ''تبرک المنورۃ'' بھی ہے۔

اس رسالہ کے باب اول کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی ''صراطِ مستقیم'' یا ''تقویۃ الایمان'' کو دیکھ رہا ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ کے مجاہدانہ واصلاحی کارناموں میں جہاں سلام مسنون کو رواج دینے اور احیاءِ سنت اور دوسرے امور کا ذکر ملتا ہے وہ ان کے مورثِ اعلی کا بھی فیض ہے۔ ''رسالہ قوت العمل'' میں اور بالخصوص اس کے بابِ پنجم میں جس وضاحت، صراحت، جرأت اور حکمت کے ساتھ

ان مسائل پر قلم اُٹھایا گیا ہے جن کے متعلق کیا عوام کیا خواص سب کا اس وقت ایک ہی اندازِ فکر تھا اور مجدد صاحب اور ان کے نامور فرزندوں کے سوا بظاہر کوئی ایسا سلسلہ و خاندان نہ تھا جہاں اتباعِ سنت کی اس قوت کے ساتھ دعوت ہو اور اس کا اس درجہ اہتمام ہو اور اس میں اتنی نزاکت اور لطافت برتی گئی ہو جتنی سید شاہ علم اللہؒ اور ان کے اہلِ خاندان اور اہلِ سلسلہ میں۔

یہ وہی رسالہ ہے جو سید شاہ علم اللہؒ صاحب کے فرزند سید محمدؒ آخری ایام میں ملنے کے لئے آنے والوں کو دکھاتے یا سُناتے تھے، اور اگر ان کو اس کے ان مذکورہ بالا مضامین سے اتفاق ہوتا تو ملنے کی اجازت دیتے تھے۔

دوسرا رسالہ عطیات ہے جو والد ماجد مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ نے ١٩٢٨ء میں طبع بھی کروایا تھا، لیکن اس کے مضامین زیادہ تر احاطہ ذاتی وصفاتی کے بیان میں ہیں اور عام طور پر اس سے استفادہ بہت مشکل ہے۔

سید شاہ علم اللہ کا اصل کارنامہ

سید شاہ علم اللہؒ کا کمال نہ ان مجاہدات شاقہ میں مضمر ہے جو ان کی پوری زندگی میں یکسانیت کے ساتھ نظر آتے ہیں، نہ ان کی حق گوئی و بے خوفی میں، نہ روحانی کمالات اور خوارق و کرامات میں، نہ ان کے معارف و ارشادات اور رسائل و تصنیفات میں، نہ ان کے جلیل القدر خلفاء اور باکمال فرزندوں میں، یہ تمام شعبے ان کی سیرت میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور ان کے لئے جن کے دل بے کل ہیں اور کوئی نادیدہ اور مبارک خلش ان کو برابر بے چین رکھتی ہے، ان شعبوں میں بھی اصلاحِ حال، تعمیر سیرت اور رجوع الی اللہ کا وافر سامان موجود ہے، لیکن ان کا سب سے بڑا کارنامہ اور کمال اور ان کی مابہ الامتیاز خصوصیت جو ان کی کتابِ زندگی کا سب سے جلی عنوان بن سکتی ہے۔

۱- سنت سے عشق۔ ۲- عزیمت پر عمل۔

ان دو چیزوں میں حضرت سید شاہ علم اللہؒ نے جن بلندیوں پر اپنا نشیمن بنایا وہاں ہر باکمال اور صاحب احوال کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ ان کی اس مبارک زندگی کا آغاز جس کی کچھ جھلکیاں کتاب میں پیش کی گئی ہیں۔ اس عزیمت کا آئینہ دار ہے، جس کے لئے قرآن مجید میں ہی کہا گیا: "واصبر كما صبر أولو العزم من الرسل" (۱) "واصبر و ما صبرك إلا بالله" (۲)،"يا بني أقم الصلوة و امر بالمعروف وانه عن المنكر و اصبر على ما أصابك، إن ذلك من عزم الأمور" (۳) یہ عزیمت ان کے آغازِ شباب میں پوری آب وتاب کے ساتھ ملتی ہے، عمر کے اس دور میں جس میں سیر وشکار اور خوش پوشاکی اور خوش وضعی کے سوا نوجوانوں کو کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں ہوتی، انھوں نے شاہجہاں کے دربار کی بہار خوب اچھی طرح دیکھنے کے باوجود چند ہی روز میں اپنے لئے ایک نئے راستہ کا انتخاب کرلیا اور یہ شعر

از دل بروں کنم غمِ دنیا و آخرت
یا خانہ جائے رخت بود یا سرائے دوست

پڑھتے ہوئے دولت کے اس انبار سے دامن جھاڑ کر واپس آگئے، اور پھر اس نوجوان نے جس نے چند ہی دن کے اندر بادشاہ کا اعتماد حاصل کرلیا تھا' صبر و عزیمت اور استقامت کی وہ نظیریں قائم کیں' جن کے مطالعہ سے مردہ ویخ بستہ دلوں میں بھی قوت اور حرارت پیدا ہوجاتی ہے اور طائرِ ہمت وشہبازِ محبت پرواز کے لئے پر تولنے لگتا ہے۔

---

(۱) اور صبر کرو جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

(۲) صبر کرو اور نہیں ہوسکتا صبر مگر اللہ کے سہارے پر۔

(۳) اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور جو تم کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کرو، بے شک یہ بڑی عزیمت کے کاموں میں ہے۔

عزیمت کی یہ عاشقانہ ادا ان کی زندگی کے آخری دن تک قائم رہی اور کسی موقع پر بھی اس میں فرق نہ آیا، عزیمت کی اس یکسانیت اور مجاہدات کے دوام سے متأثر ہوکر ان کے معاصر شیخ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے یہ شہادت دی کہ:

''اکثر مشائخ سلوک کی ابتدا میں ریاضتیں کر کے آخر میں فارغ اور سبکدوش ہوجاتے ہیں لیکن شاہ صاحب نے اول روز سے تنگی وسختی وفقر کو راحت سمجھ کر اور فقر و فاقہ کو سنت کی پیروی میں جو اختیار کیا تو آخر تک اس میں ذرا فرق آنے نہیں پایا اور لذاتِ دنیاوی کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔'' (۱)

لیکن عزیمت کا یہ عنوان صرف مجاہدات اور ریاضتوں تک محدود نہ سمجھنا چاہئے، ہر وہ کام جو رخصت کے سوا ہو عزیمت ہے، اور سید شاہ علم اللہؒ کے یہاں جو عزیمت نظر آتی ہے وہ دراصل یہی ہے اور اسی میں ان کا کمال پوشیدہ ہے ان کی زندگی کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ رخصت کی تلاش اور عزیمت سے فرار ایک مردِ مؤمن کی شان سے بہت فروتر اور بعید سمجھتے تھے اور سب کو اس کی دعوت دیتے تھے کہ وہ عزیمت پر عمل کریں اور سنت کو کسی وقت بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ قوت العمل میں یہ بات انھوں نے متعدد جگہ مختلف طریقوں سے لکھی ہے، ایک جگہ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

''ہر حکمے کہ دائر میان اباحت ونہی است وجب الکف عن العمل و درمضمون حدیث کہ جمیع اعمال بہر بہشت بالائے خوف روا است الا عملے کہ بمتابعت من کند وقول حضرت عمر رضی اللہ عنہ: نحن نترك سبعين بابا من الخير مخافة أن نقع فى الشر.''

---

(۱) نتائج الحرمین۔

(ہر وہ حکم جو اباحت اور ممانعت کے درمیان دائر ہو اس سے رک جانا ضروری ہے۔ حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ بہشت کے تمام اعمال رو کے جانے کا خطرہ رکھتے ہیں سوائے اس عمل کے جو میری پیروی و متابعت میں ہو نیز حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ ہم شدت احتیاط میں خیر کے ستر دروازے محض اس ڈر سے چھوڑ دیتے ہیں کہ کہیں شر میں نہ پڑ جائیں۔)

وہ اعمال جو نہ صرف عام مسلمانوں بلکہ صالحین اور مشائخ و علماء میں بھی رائج تھے، اور جن کو ماحول، دستور، اور خاندانی رسوم و عادات کے دباؤ سے قوت مقاومت کی کمی سے یا کسی اور وجہ سے محض اس لئے گوارا کرلیا جاتا تھا کہ ان میں کوئی قباحت نہیں ہے اور شریعت میں اس کی گنجائش نکل سکتی ہے، اسی طرح بعض ان سنتوں سے بے پرواہی جو رواج و عادت کے خلاف ہیں اور جن پر عمل کرنے کے لئے کچھ قربانی، کچھ مقاومت اور ہمت کی ضرورت پڑتی ہے، وہ سنن و اعمال سید شاہ علم اللہؒ کے نزدیک حد درجہ قابلِ احترام اور لائقِ اہتمام تھے، وہ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی اور نفس کی شدید سے شدید تر مخالفت میں بھی پس و پیش نہ کرتے تھے، ان کے ہاں (جیسا کہ ایک جگہ عرض کیا جاچکا ہے) سنت میں کوئی تقسیم نہ تھی، جس طرح سرمہ لگانا، خوشبو لگانا یا کھانے کا برتن صاف کرنا سنت ہے، اسی طرح بوجھ اُٹھانا، گھر کا کام کرنا، اور مریدین و محبین کی جماعت کثیرہ کے باوجود ان کے ساتھ ہر کام میں شرکت اور ان سے عدم امتیاز اور خلق کے رجوع کے باوجود اپنے اہلِ تعلق سے برابر والوں اور ہم جنسوں کا سا سلوک بھی سنت ہے، لیکن پہلی سنتیں آسان اور مرغوب ہیں اور دوسری سنتیں نفس پر شاق اور طبیعت کے لئے ناگوار ہیں، انھوں نے اپنے رسالہ قوت العمل میں قرآن مجید کی اس آیت: ”أ رأیت من اتخذ إلٰهه هواه“ سے بار بار استشہاد کیا

ہے، اور لکھا ہے کہ یہ آیت صرف اس کھلی ہوئی ہواپرستی پر منطبق نہیں ہوتی جس کو سب جانتے ہیں یعنی احکامِ شریعت کی مخالفت اور اپنی خواہشات کی پیروی بلکہ وہ سنن و اعمال جن کے متعلق کتاب وسنت کی کھلی ہوئی تصریح موجود ہے، ان میں اپنی خواہش، اپنے مزاج اور اپنی عادتوں، اپنے مصالح یا اپنی رائے کی بنا پر تفریق بھی کسی طرح درست نہیں، اور وہ بھی اس میں داخل ہیں، ہر وہ چھوٹا بڑا حکم اور ہدایت جو قرآن مجید میں موجود ہے اس میں نفس کی مداخلت اور طبیعت کی شرکت جب ہی ہوسکتی ہے جب ہواپرستی کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہو۔

اس بات کی اہمیت اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستان میں حدیث کی اشاعت اچھی طرح نہ ہوئی تھی، اور مجدد صاحب اور خواجہ محمد معصومؒ کے سلسلہ کے سوا ہندوستان کے تقریباً ہر گوشہ میں وحدت الوجود کا بڑا زور اور سماع وغیرہ کا بہت رواج تھا، اچھے اچھے دینی گھرانوں اور مشائخ کے خانوادوں میں بھی بہت سی سنتیں متروک اور فراموش ہوگئی تھیں اور ان کی جگہ رواجی اعمال نے لے لی تھیں، بہت سی وہ چیزیں جواب واضح ہیں اور جن کے بارے میں اب کسی حلقہ میں بھی شک اور التباس نہیں پایا جاتا وہ اس وقت اس درجہ صاف اور روشن نہ تھیں۔

رنگے ہوئے کپڑوں، تعظیمی سلام، محافلِ سماع اور اسی طرح مشیخت کے بہت سے دوسرے لوازم وآداب جن کی کتاب وسنت سے کوئی سند نہ تھی، پھر ان کے بعد وہ اعمال جو رخصت کے دائرہ میں آتے ہیں اور جن کی شریعت کی نظر میں صرف گنجائش نکل سکتی ہے، اور جو مباحات کہلاتے ہیں ان کا بکثرت رواج تھا، اور اودھ اور اس کے اطراف میں سید شاہ علم اللہؒ کے چاروں طرف ایسے صوفیہ ومشائخ خاصی تعداد میں موجود تھے جو اپنے مقام بلند کے باوجود ان چیزوں سے محفوظ نہ تھے، اور طویل

مجاہدات اور ریاضتوں، ذکر وفکر اور کشف وکرامات اور علوم ومعارف کے ساتھ ساتھ یہ چیزیں بھی ان کی زندگی میں موجود تھیں، اور اس عہد کے اسلامی ہند میں یہ کوئی ایسا اہم مسئلہ نہ سمجھا جاتا تھا جس کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہو اور جس کی وجہ سے مدرسہ وخانقاہ اور مسلمانوں کی زندگی میں ایک بڑا خلا واقع ہو رہا ہو۔

اس عہد اور اس ماحول میں احیاءِ سنت کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکنا اور اپنی عملی زندگی سے اس کی مکمل اور زندہ تشریح اور پھر پوری قوت اور جرأت کے ساتھ اس کی دعوت واشاعت اور اس راہ کی تمام نزاکتوں اور دشواریوں بلکہ قربانیوں پر ہمہ وقت آمادگی، اور بڑے بڑے امتحان اور آزمائش میں ثابت قدمی، کوئی معمولی بات نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ اوصاف وکمالات ہیں جو اس عہد میں سید شاہ علم اللہؒ کے علاوہ کسی اور شخصیت پر راس نہیں آتے۔ اورنگ زیب کے خواب کا مشہور تاریخی واقعہ کتاب میں پہلے گزر چکا ہے، جب اورنگ زیب نے ان علماء وصلحاء سے دریافت کیا کہ یہ خواب سنتے ہی یہ تعبیر ان کے ذہن میں کیسے آئی تو انھوں نے جواب دیا کہ اتباعِ سنت میں کوئی دوسرا آدمی ان کا ہمسر نہیں، شرف فرزندی کے ساتھ اتباعِ سنت، عشقِ رسولﷺ کی دولت اور سنن ومستحبات کے اس درجہ اہتمام والتزام میں وہ اکثر علماء ومشائخ سے فائق نظر آتے ہیں۔(۱)

سید شاہ علم اللہ کا اصل کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے سنت سے عشق اور عزیمت پر عمل سے رہروانِ راہِ وفا کے لئے ایک ایسی شمع روشن کردی جس کی روشنی اور تابانی سیکڑوں سال گزرنے کے باوجود ہم تک پہنچ رہی ہے، انھوں نے اپنے عمل سے یہ بتایا کہ معرفت کا سب سے مضبوط زینہ اور بارگاہِ خداوندی میں قبولیت اور اقلیم ولایت میں داخلہ کا سب سے مقبول پروانہ اتباعِ سنت ہے، انھوں نے اپنے رسالہ قوت العمل

---

(۱) بحرِ زخار و در المعارف ملفوظات مولانا شاہ غلام علیؒ۔

میں متعدد جگہ ایک حدیث کا مضمون نقل کیا ہے کہ تمام اعمال بارگاہِ ایزدی میں رد کیے جانے کا اندیشہ رکھتے ہیں سوائے ان اعمال کے جو میری متابعت میں کیے گئے ہوں۔

انھوں نے ایک شاہ راہ کی دعوت دی ہے جو سب سے محفوظ و مامون شاہراہ ہے اور جس پر قدم رکھنے کے بعد بلا کسی اندیشہ کے آدمی سیدھا منزلِ مقصود پر پہنچ سکتا ہے، جس میں بار بار معلومات حاصل کرنے اور شبہ کرنے کی ضرورت اور قبولیت و نا مقبولیت کا کوئی خطرہ نہیں، اگر اخلاص کی دولت حاصل ہے جو اس راہ کی شرطِ اول ہے اور خدا کی رحمت شامل ہے جو ہر چیز کی اصل ہے تو پھر کسی تفصیل اور ادھیڑ بُن میں پڑنے کی حاجت نہیں، اس وقت یہ راہ مؤمن کے لئے وادئ سینا ہے اور اس کا ہر قدم معتبر اور ہر پیش قدمی مبارک ہے ؎

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادئ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

اس میدان میں سید شاہ علم اللہؒ نے جو فتوحات حاصل کیں اور ان کے شہبازِ محبت نے جن رفعتوں پر اپنا آشیانہ بنایا اور ان کی باریک بیں اور حق پسند نگاہ نے سنت کی جن نزاکتوں اور لطافتوں کی اپنی عملی زندگی سے نشان دہی کی اور ان سنتوں کی حلاوت ولذت اور کیف و سرور کا پردہ فاش کیا جو قربانی اور عزیمت اور مجاہدہ و صبر کے بعد میسر آتی ہیں، انھوں نے ان سنتوں کے لئے نفس کی بڑی سے بڑی آزمائش اور اپنے ماحول اور خاندان بلکہ خود خانقاہ کے معمولات و مسلمات کا جس جرأت اور جواں مردی کے ساتھ مقابلہ کیا، انھوں نے جس طرح سب سے پہلے اپنے اہل وعیال اور اپنے خویش واقارب کو اس عزیمت کا عادی بنایا اور سب سے پہلے اپنے گھر میں اس کا

نقشہ دکھایا، انھوں نے جس طرح اپنے دسترخوان میں مساوات کا نمونہ پیش کیا اور قرنِ اول کی یاد تازہ کردی اور ان کے معاصرین(۱) کو کہنا پڑا کہ یہ مجاہدہ سید شاہ صاحبؒ ہی کے ساتھ مخصوص ہے، کوئی دوسرا اس میں ان کی برابر نہیں کرسکتا۔(۲)

انھوں نے جامِ شریعت اور سندانِ عشق کو جس طرح جمع کیا اور محبت کی نئی ادائیں وضع کیں وہ تاریخِ اسلام کا ایک روشن ورق ہے، اور ہندوستان کی تاریخِ تصوف کا ایک بیش قیمت سرمایہ اور ناقابلِ فراموش باب ہے، اور یہی سید شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل کارنامہ، ان کی سیرت کا سب سے بڑا جوہر اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا پیغام ہے۔(۳)

---

(۱) شیخ محمد افضل الہ آبادی۔

(۲) اعلام الہدی۔

(۳) یہ سطور دائرہ سید شاہ علم اللہؒ کی مسجد میں ۲۰/رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ کو قلمبند کی گئیں، اور ان پر کتاب کا وہ حصہ تمام ہوا جو شاہ صاحبؒ کے حالات وکمالات سے متعلق ہے۔ فالحمد للہ الذی بعزتہ و جلالہ تتم الصالحات.

باب ششم

خلفاء

حضرت شاہ علم اللہؒ کے خلفاء واہلِ ارادت میں شیخ عبدالاحد بنّوری، شیخ فتح محمد انبالوی، سید عبداللہ محدث اکبرآبادی، شیخ محمود رسن تاب خورجوی، شیخ ولی کاکوروی اور شیخ محمود خاں افغانؒ کا مختصر تذکرہ ہمیں تاریخ وسوانح کی کتابوں میں ملتا ہے، دوسرے خلفاء کے جستہ جستہ حالات شاہ صاحب کے تذکرہ میں آگئے ہیں، یہ اوراق ان کے احوال وسوانح، صفات وکمالات کے مختصر تذکرہ کے لئے مخصوص ہیں، ان سے ہمیں اندازہ ہوگا کہ سچی طلب انسان کو کن کن نارسیدہ منزلوں اور نادیدہ دنیاؤں تک لے جاتی ہے، اور تلخی کے چند گھونٹ اس کے لئے حقیقی لذت وراحت کے کیسے کیسے سامان فراہم کردیتے ہیں کہ: "ما لا عين رأت و لا أذن سمعت و لا خطر على قلب بشر" ...... "و من يتق الله يجعل له مخرجا و يرزقه من حيث لا يحتسب" ...... "إنه من يتق و يصبر فإن الله لا يضيع أجر المحسنين."

شیخ فتح محمد انبالوی

شیخ فتح محمد انبالوی، سید شاہ علم اللہؒ کے کبارِ خلفاء میں ہیں۔ انھوں نے سید شاہ علم اللہؒ تک پہنچنے اور ان سے وابستہ ہونے کی بڑی دلچسپ، عجیب اور اثر انگیز سرگزشت بیان کی ہے، فرماتے ہیں:

> "ابتدا میں مجھ پر اچانک جاذبۂ الٰہی کا غلبہ ہوا اور دل بے ساختہ ایک طرف کھنچنے لگا، یہ اثر اتنا بڑھا کہ دنیا اور اسبابِ دنیا سے

ہاتھ جھاڑ کر جنگل کی طرف نکل پڑا اور اسی جذب و بے خودی کے عالم میں دشت نوردی کرتے کرتے 'دہاموني' اور 'کالنجر' تک پہنچ گیا، رات کو کسی پہاڑ کے غار میں چھپ جاتا اور دن کو پھر وہی بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی شروع کر دیتا، بعض لوگ میری اس وارفتگی و دل باختگی کو دیکھ کر از راہِ ترحم کچھ کھانے پینے کو پیش کرتے، کبھی میں اس کو قبول کر لیتا اور کبھی واپس کر دیتا۔

ایک دن میں پہاڑی کے دامن میں سو رہا تھا کہ خواب میں مجھے حضرت (سید شاہ علم اللہؒ) کی زیارت نصیب ہوئی، مجھ سے فرمایا کہ (فتح محمد بیا نصیبہ' تو اینجا مقرر است وکشائش کار تو مقدر) ''فتح محمد یہاں آؤ! تمھارا حصہ تو یہاں مقرر اور کشایش کار یہاں مقدر ہے''۔ لیکن افسوس کہ اپنا نام ونشان کچھ نہ بتایا، عجب بے قراری و شوریدہ سری کے عالم میں' میں نے ان کو تلاش کرنا شروع کیا اور کوئی قصبہ اور شہر باقی نہ چھوڑا، جہاں کہیں کسی بزرگ، شیخ اور عالم کا تذکرہ سنتا ان کی زیارت کو پہنچتا کہ شاید یہ وہی چہرہ ہو جس کے دیدار سے میں خواب میں مشرف ہوا تھا، جب ان کو دیکھتا تو مایوسی اور حسرت کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگتا۔ اور یہ شورش و سوزش کچھ اور بڑھ جاتی، غرض اسی حال میں افتاں و خیزاں فتحپور پہنچا اور وہاں حضرت کا نام مبارک سُن کر رائے بریلی روانہ ہوا، اور خانقاہ میں حاضر ہوا، اہلِ خانقاہ نے میری غیر شرعی وضع قطع یعنی بڑھے ہوئے بالوں، رنگین کپڑوں اور گردن میں مالا دیکھ کر سخت ناراضی کا اظہار کیا اور کہا: اے بے ادب اور

مخالفِ شریعت، یہاں سے جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے پہلے حضرت سے مل لینے دو، اس کے بعد تمھیں اختیار ہے جو چاہو کرو، اس وقت حضرت اپنے دولت خانہ میں آرام فرماتھے، میں ایک شخص کے ذریعہ اپنا سلامِ نیاز کہلوایا، حضرت نے نام دریافت فرمایا، میں نے اپنا نام جان بوجھ کر تبدیل کر دیا اور یہ کہلوایا کہ میرا نام عبداللہ ہے۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ میرا پہلا نام کیا ہے، اس دریافت و تفتیش سے مجھ پر ایک خاص ہیبت طاری ہوئی اور مجھے محسوس ہو گیا کہ ؎

آں مہ کہ بخود کردم قرینم اینست
غارت گرِ سرمایۂ نیم اینست

میں نے عاجزی کے ساتھ اعتراف کیا کہ میرا نام فتح اللہ ہے، یہ سُن کر حضرت مسکراتے ہوئے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ تم نے بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں، الحمد للہ کہ اب منزلِ مقصود پر پہنچ گئے، اس کے بعد آپ نے اس غیر شرعی لباس اور وضع تبدیل کرنے کا حکم دیا، میں اس کی تعمیل کی۔

دو تین روز کے بعد مجھے خلوت میں طلب کیا، بیعت لی اور تلقین طریقہ فرمائی، خدا کے فضل سے چند ہی روز میں عجیب ترقی حاصل ہوئی اور وہ مقامات اور منزلیں چند دنوں میں طے ہو گئیں جو اس راہ کے اعلیٰ ترین مقامات ہیں، اس کے بعد حضرت نے خلافت وارشاد کی خلعت سے بھی نوازا اور وطن رخصت فرمایا۔"

شیخ فتح محمد انبالوی کے فرزند شیخ محمد یوسف بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے

اور طریقت کے حقائق و معارف میں بلند پایہ رکھتے تھے۔(۱)

شیخ عبد الاحد نبیرہ سید آدم بنوریؒ

شیخ عبد الاحد حضرت سید آدم بنوریؒ کے پوتے اور شیخ محمد اولیاء کے صاحبزادہ ہیں، ان کے والد کا انتقال ان کے بچپن میں ہو گیا تھا، علومِ ظاہری سے فراغت کے بعد سلوک و علم باطن کا داعیہ پیدا ہوا، اپنے نامور دادا کے اصحاب واہلِ تعلق سے مشورہ کے بعد بنور سے روانہ ہوئے، سید شاہ علم اللہؒ کو جب ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو بہت دور جا کر ان کا استقبال کیا اور انتہائی تکریم و ارادت کا معاملہ کیا، اور یہ خواہش کی کہ مخدوم زادہ سواری پر تشریف رکھیں اور قافلہ کے جلو میں روانہ ہوں، لیکن انھوں نے اس کو پسند نہ فرمایا اور سید شاہ علم اللہؒ کو اس پر مجبور کیا کہ وہ بھی سورای پر تشریف رکھیں، مجبوراً شاہ صاحب بھی سواری پر بیٹھے، لیکن اس طرح کہ ادباً پیر گاڑی سے باہر تھے، غرض اس طرح ان کو خانقاہ تک لائے اور عجیب ارادت و تواضع کا معاملہ کیا، چند روز کے بعد شیخ عبد الاحد نے درخواست کی کہ ان کو سلوک کے طریقۂ عالیہ سے سرفراز فرمایا جائے، سید شاہ علم اللہؒ نے جواب دیا: ہر چہ در بغداد است گر دِسرِ خلیفۂ ما زیادہ از امانت دار نیستم'' (جو کچھ بغداد میں ہے سب خلیفہ کا ہے، ہم تو صرف امانت دار ہیں)۔

بالآخر ان کو سلوک طریقۂ احسنیہ کی تعلیم دی اور اس کے اعلی مراتب سے سرفراز ہوئے، تکمیل کے بعد وطن مراجعت کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ سید شاہ علم اللہؒ نے رخصت کیا اور مثنوی مولانا روم کا ایک نسخہ اور بیس روپیہ نقد ان کی خدمت میں پیش کیا۔(۲)

---

(۱) انذکرۃ الابرار۔

(۲) تذکرۃ الابرار و نزہۃ الخواطر۔

سید عبد اللہ محدث اکبر آبادیؒ

سید عبد اللہ محدث اکبر آبادی کی بیعت کا واقعہ اس کتاب میں ایک جگہ گزر چکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ سید شاہ علم اللہؒ اپنے کسی سفر میں اکبر آباد تشریف لائے اور سید عبد اللہ محدثؒ کے یہاں فروکش ہوئے، سید عبد اللہ محدثؒ گو اس وقت سید شاہ علم اللہؒ سے عقیدت ضرور تھی اور ان کو ورع و عزیمت اور اتباعِ سنت میں ممتاز اور فرد فرید سمجھتے تھے، لیکن ان کے احوالِ باطنیہ و مقاماتِ عالیہ کا پورا علم نہ تھا، شب میں سید شاہ علم اللہؒ کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی، اور اس شب کو ان کی نظر کے سامنے بعض ایسے احوال گزرے کہ عقیدت و محبت دوچند ہوگئی، چنانچہ بیعت کی اور ان کے اجلۂ خلفاء میں شمار ہوا۔

''تذکرۃ الابرار'' میں ہے کہ مشہور یہ ہے کہ سید عبد اللہ محدث' حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ ہیں، شاید ابتدائے حال میں سید شاہ علم اللہؒ سے بیعت ہوئے ہوں اور ارادت کا سبب یہ واقعہ ہو، پھر تسکین اتم حاصل کرنے کے لئے سید آدم بنوری سے بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے ہوں۔

شیخ محمود رسن تاب خورجویؒ

شیخ محمود رسن تاب خورجوی بھی سید شاہ علم اللہؒ کے ممتاز ترین خلفاء میں ہیں۔
''تذکرۃ الابرار'' میں ہے کہ رسن تاب ان کو اس لئے کہتے تھے کہ وہ رسیاں بٹ کر فروخت کرتے تھے اور صرف یہی ان کا ذریعۂ معاش تھا، بہت بلند احوال و کیفیات کے مالک اور عالی ہمت بزرگ تھے، دنیا اور صحبتِ اغنیاء سے مطلق سروکار نہ تھا، بہت گمنام اور کنارہ کش رہتے تھے، ان کے ترک و تجرید اور مجاہدہ و استقلال کو دیکھ کر اسلاف کے محیر العقول واقعات و مجاہدات کی تصدیق ہوتی تھی، بکثرت لوگوں کو ان

سے فیض پہنچا اور ان کی صحبت میں رہ کر ان کو وہ دولت جاوید ہاتھ آئی جو اس سارے مجاہدہ کا مقصود اور حاصل ہے، ''تذکرۃ الابرار'' کے الفاظ ہیں:

''بسا مردم از فیض صحبت ایشاں بمقصود اصلی واصل گشتند واز خود وخودی وارستند وبقاء اتم وبقاء اکمل پیوستند۔''

(بکثرت آدمی ان کے فیضِ صحبت سے مقصودِ اصلی تک پہنچے اور خود پرستی وخودی سے آزاد ہوکر بقاء دوام حاصل کی)۔

ان کے خلفاء میں شیخ غلام محمد بن شیخ محمود ہیں، علومِ ظاہری وباطنی میں عالی مرتبہ رکھتے تھے، صحبت میں بڑی قوت اور تاثیر تھی۔

شیخ محمد ولی کاکورویؒ

شیخ محمد ولی کا تذکرہ ''تذکرۂ مشاہیر کاکوری'' میں موجود ہے اور ان کا تعارف کراتے ہوئے یہ سطریں درج ہیں، حضرت شاہ علم اللہؒ نقشبندی رائے بریلوی سے بیعت تھے، اتباعِ شریعتِ محمدی ﷺ میں بے نظیر عصر گزرے، کبھی خلافِ شریعت امور کے مرتکب نہ ہوئے۔

ان کے حالات وسوانح میں سید شاہ علم اللہؒ کی تعلیم وصحبت کا اثر اتنا نمایاں ہے کہ اگر یہ صراحت نہ بھی ہوتی تب بھی اہلِ نظر اس فرق کو محسوس کرلیتے، وہ احتیاط و تورع، عزیمت واستقامت اور اتباعِ سنت جو سید شاہ علم اللہؒ کی امتیازی شان تھی یہاں بھی جلوہ گر معلوم ہوتی ہے، اور پڑھنے والا صاف محسوس کرتا ہے کہ اتنے تذکروں میں اس تذکرہ کا رنگ ہی کچھ اور ہے، ''تذکرہ مشاہیر کاکوری'' کے مصنف نے جتنے واقعات لکھے ہیں، وہ سب یہی رنگ لئے ہوئے ہیں، یہاں اس قسم کے چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں، اس سے ہمیں سید شاہ علم اللہؒ کی صحبت کی کیمیا اثری اور ان کے طرزِ زندگی اور مسلک دونوں چیزوں کا بخوبی اندازہ ہوگا اور ان اوصاف وکمالات کا

بھی کچھ اندازہ ہوگا جوان کے اثرِ صحبت اور فیضِ تربیت سے ان کے مریدین و متسبین میں پیدا ہو گئے تھے۔

سید محمد ولی ابتداء میں اٹاوہ میں ایک جگہ ملازم تھے، وہاں ایک سائیس کو ملازم رکھا، جب وطن واپس ہوئے تو وہ بھی ساتھ آیا یہاں آ کر اس کی تنخواہ ادا کی اور واپس کر دیا۔ تھوڑے دن کے بعد خیال آیا کہ اس کی تنخواہ میں ایک پیسہ باقی رہ گیا ہے، یہ خیال آتے ہی سخت پریشان ہوئے اور اسی وقت اٹاوہ کا سفر کیا وہاں پہنچ کر کوتوالی سے اس کے مکان کا پتہ چلایا اور اس کو بُلا کر بہت معذرت کی اور وہ پیسہ اس کے حوالہ کیا، اس نے ٹھہرنے کے لئے بہت اصرار کیا مگر انھوں نے قبول نہیں کیا اور اسی روز کاکوری چلے آئے۔(۱)

ایک روز یہ لکھنؤ جا رہے تھے، دیکھا کہ راستہ میں ایک سوار بہت سا اسباب ایک مزدور پر بار کیے ہوئے جا رہا ہے، اسباب بہت وزنی تھا اور مزدور کی طاقت سے باہر تھا وہ بیچارہ خوشامد کر رہا تھا مگر سوار ایک نہیں سنتا تھا اور لے چلنے پر مجبور کرتا تھا، ان کو اس بیچارہ کے حال پر ترس آیا، یہ سوار کو فہمائش کرنے لگے کہ اتنی سختی نہ کرو، سوار نے ان سے بگڑ کر کہا کہ آپ کو بہت قلق ہے تو آپ ہی میرا سامان پہنچا دیجئے، میں اس مزدور کو چھوڑے دیتا ہوں، انھوں نے بے تکلف کل سامان لے کر اپنے سر پر رکھا اور ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئے، معاً سوار پر ایک ہیبت طاری ہوئی اور اس کو یقین ہوا کہ ضرور یہ کوئی ولی ہیں، گھوڑے سے اُتر کر وہ قدموں پر گر پڑا اور عفو تقصیر کا خواستگار ہوا۔(۲)

''تذکرہ مشاہیر کاکوری'' کے مصنف نے ان کے جتنے حالات و واقعات قلمبند کیے ہیں ان سب میں شاہ علم اللہؒ صاحب کی سیرت و تربیت کا عکس نمایاں ہے، وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) و (۲) تذکرہ مشاہیرِ کاکوری۔

> ''ایک روز صبح کی نماز ادا کرنے مسجد جارہے تھے، گیہوں کے کھیت میں اتفاق سے پیر پڑ گیا، درخت کچل گئے، زمین کسی اور شخص کی تھی، انھوں نے سبزہ کی حالت دیکھی، خوف و دہشت الٰہی سے جسم میں لرزہ پڑ گیا اور چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا، اسی روز سے روزانہ انھوں نے بعد نمازِ اشراق وظہر اس سبزہ میں پانی دینا شروع کیا، جب تک وہ اپنی حالت پر نہیں آ گیا ان کو اطمینان نہیں ہوا۔''

ایک مرتبہ ایک ارادت مند اپنے باغ سے ایک سرخ آم ان کی خدمت میں تحفۃً لایا، انھوں نے اس سے پوچھا کہ تم تنہا ہو یا تمھارے کوئی اور بھائی بھی ہے، اس نے کہا کہ ایک بھائی اور ہے، انھوں نے کہا کہ یہ آم تنہا تمہاری ملک نہیں، تا وقتیکہ تم اپنے بھائی سے اجازت حاصل نہ کرو، مجھے نہیں دے سکتے اور نہ میں اسے لے سکتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس کو واپس کر دیا۔ (۱)

''تذکرہ مشاہیر کاکوری'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ قصبہ کاکوری میں محلّہ ولی نگران ہی کا آباد کیا ہوا ہے اور قصبہ کے کنارے شمالی رُخ پر واقع ہے، پہلے ان کا قیام مخدوم شیخ قیام الدین کے محلّہ متصل ''چودھری محلّہ'' میں تھا، وہاں سے منتقل ہونے کا سبب یہ ہوا کہ پڑوس میں ایک روز شادی تھی اور ڈھولک بج رہی تھی، انھوں نے منع کیا، ہمسایہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھر کے مالک ہیں، تم کو تحکم کا کوئی حق نہیں ہے، انھوں نے اسی وقت اس محلّہ کی سکونت ترک کر دی۔ (۲)

شیخ محمود خاں افغانؒ

صاحبِ ''بحرِ زخار'' نے سید شاہ علم اللہؒ کے خاص مریدوں میں محمود خاں افغان

---

(۱) و (۲) تذکرہ مشاہیرِ کاکوری، ص: ۳۸۷

کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ بازید خیل قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے اور شاہ علم اللہؒ سے بیعت تھے، ریاض الاولیاءؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ بڑے صاحبِ حال اور باکمال شخص تھے، ان کے والد حضرت سید آدم بنوری سے بیعت تھے اور ان کی والدہ بھی بہت صالحہ اور عابدہ خاتون تھیں، انھوں نے اپنے بیٹے کی ۷ ار سال اس طرح پرورش اور تربیت کی کہ مشتبہ کھانے کا ایک لقمہ بھی ان کے منھ میں جانے نہ دیا، اس کے بعد کہا کہ اب جاؤ اور اللہ کا نام لے کر کسی مرشد کو تلاش کرو، خوش نصیبی اور توفیقِ الٰہی ان کو کشاں کشاں رائے بریلی تک لے آئی سید شاہ علم اللہؒ سے بیعت ہوئے اور ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر سخت مجاہدات کئے اور سلوک کی تکمیل کی اور یہ دولت لے کر وطن واپس ہو گئے۔(۱)

ان کے دو صاحبزادے تھے محمد معصوم اور غلام محمد اور دونوں فضائل صوری و معنوی سے آراستہ اور تواضع وانکساری کی تصویر تھے۔(۲)

---

(۱) و(۲) بحرِ زخار منتخب (مرتبہ: ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ) ص:۶

باب ہفتم

اولا دواحفاد

سید شاہ علم اللہؒ کی نسبتِ باطنی کے سب سے بڑے وارث اور امین اور ان کے صوری ومعنوی جانشین ان کے نامور اور باکمال فرزند تھے، سید شاہ علم اللہؒ کی زندگی کا عکس اور پرتو دیکھنا ہو تو ان کے اولاد واحفاد کا سراپا دیکھنا چاہیے، سید شاہ علم اللہؒ کے ارجمند وسعادت مند فرزندوں نے ان کا جو عکس قبول کیا تھا اس کی تابانی ودرخشانی اصل سے کسی طرح کم نہ تھی، اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ یہ روشنی اور ضوفشانی ان کی دوسری پشتوں میں اس طرح منتقل ہوتی رہی کہ اس کے تسلسل اور فیاضی کو دیکھ کر آدمی بے ساختہ پکار اٹھتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

سید شاہ علم اللہؒ کے چار صاحبزادے تھے، سید شاہ آیت اللہؒ، سید محمد ہدی، سید محمد ابوحنیفہ، سید محمدؒ، آئندہ اوراق ان کے پُر اثر تذکرہ اور ان کے نامور اور قابل ذکر فرزندوں کے مختصر حالات وسوانح کے لئے مخصوص ہیں۔

سید شاہ آیت اللہؒ

شاہ آیت اللہؒ، شاہ علم اللہؒ کے سب سے بڑے فرزند تھے، بہت کمسنی میں درسیات کی تکمیل کی اور حفظ کی دولت سے مالا مال ہوئے، بڑے شجاع، عالی ہمت اور بلند حوصلہ شخص تھے، آغازِ شباب ہی میں انھوں نے بعض ایسے کام کئے کہ شجاعان زمانہ ان پر رشک کرتے تھے اور اعتراف کرتے تھے کہ اس میدان میں ان کا کوئی ہمسر

نہیں، دولت باطنی اپنے والد سے حاصل کی اور فیض وارشاد کا سلسلہ برابر جاری رہا، ابتدا ہی میں جہاد وغزا کا شوق دامن گیر ہوا اور اس مقصد سے اپنے برادران اور اقرباء کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ ناظم گورکھپور کی سرکار کے سپاہیوں میں شامل ہو گئے۔

اسی زمانہ میں اس نواح کے راجہ نے بغاوت کر دی اور جمعہ کا دن مقابلہ کے لئے طے ہوا، اور ناظم مقابلہ کے ارادہ سے باہر آیا، شاہ آیت اللہؒ نے ان سے فرمایا کہ آج جمعہ کا روز ہے، پہلے نماز ادا کریں اس کے بعد مقابلہ کے لئے آئیں، ناظم نے جواب دیا کہ جب تک میں جمعہ کی نماز پڑھوں گا اس وقت تک دشمن اپنا کام نکال لیں گے، میں دیر نہیں کر سکتا۔ آپ پیر زادہ ہیں، آپ نماز پڑھیں اور توجہ کریں کہ فتح نصیب ہو، یہ جواب سُن کر وہ نماز میں مشغول ہو گئے، امیر نے جنگ شروع کی اور سخت ہزیمت اٹھائی، شاہ آیت اللہؒ نماز پڑھ کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور میدانِ کارزار کی طرف چلے، جب شہر کے دروازے تک پہنچے تو دیکھا کہ سرکاری فوج ناظم کی سرکردگی میں پسپا ہو کر واپس آ رہی ہے، انھوں نے یہ منظر دیکھ کر فوج کو دوبارہ حملہ کرنے پر اُبھارنا چاہا اور طرح طرح سے ہمت دلائی لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا، فوج کے ایک آدمی نے کہا کہ کسی پر آسمان پھٹ پڑے تو کیسے برداشت کر سکتا ہے، آپ اتنی مختصر جماعت کے ساتھ کیا کر لیں گے، بہتر یہ ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں، ان سے ناامید ہو کر انھوں نے بہ نفسِ نفیس علم نصرت بلند کیا اور آگے بڑھ کر باغیوں پر حملہ آور ہوئے اور نہ جانے کتنے سر قلم کئے اور راجہ اور باغی فوج کے متعدد افسران اس معرکہ میں مقتول ہوئے، اس معرکہ میں ان کے دو حقیقی بھائی اور سید شاہ علم اللہؒ کے داماد سید محمد رحیم بھی شریک تھے، سید محمد رحیم نے جامِ شہادت نوش کیا، اور باقی سب لوگ مظفر و منصور واپس ہوئے۔(۱)

---

(۱) اعلام الہدیٰ و تذکرۃ الابرار۔

قرآن مجید اس قدر اچھا حفظ تھا کہ ایک مرتبہ ان کے والد ماجد سید شاہ علم اللہؒ نے ان کو رمضان میں تراویح سنانے کے لئے نصیر آباد سے تکیہ بلوایا، ان کے چچا سید خواجہ احمد نصیر آبادی نے یہ سن کر فرمایا کہ جب تک میں تمھارے پیچھے پورا قرآن نہ سن لوں گا تم کو اجازت نہ دوں گا، اب معاملہ نازک تھا، والد کی تعمیلِ حکم میں چچا کی دل شکستگی تھی اور چچا کی اطاعت میں والد کی مخالفت، انھوں نے اس مسئلہ کو اس طرح حل کیا کہ رمضان کی پہلی شب میں پورا قرآن مجید ختم کر دیا اور اپنے چچا کی دعا لیتے ہوئے صبح تکیہ روانہ ہو گئے۔

شجاعت و شناوری کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کسی سفر میں دریائے گنگا عبور کرنا چاہا، لیکن ملاح نے کسی وجہ سے کشتی نہ دی، ایک بہت بڑا بوجھ ان کے ساتھ تھا، انھوں نے لنگی باندھ لی، اور کچھ لوگوں نے بوجھ اٹھا کر ان کے سر پر رکھ دیا اور اس بوجھ کو لے کر سلامتی کے ساتھ دریا کے پار اتر گئے۔

ورع و تقوی، سخاوت و انابت اور دوسرے اوصاف حمیدہ اور مکارمِ اخلاق میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے، سید شاہ علم اللہؒ کے انتقال کے بعد ان کی نیابت و جانشینی کا حق ادا کیا اور اسی روش پر گامزن رہے، بکثرت آدمیوں نے ان سے فیض حاصل کیا اور ان کی صحبت و تربیت میں رہ کر نسبت خاصہ سے بہرہ ور ہوئے اور بعض مریدین و اہلِ اختصاص کی صحبت میں وہ کیمیا اثری پیدا ہوئی کہ محض ان کے پاس چند لمحہ بیٹھ جانے سے لوگوں کا دل دنیا سے سرد ہو جاتا تھا اور فنائیت و بے نفسی کی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی۔ (۱)

آخر میں بعض چیزوں سے دل شکستہ ہو کر اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر چلے گئے، اور اپنے با کمال فرزند سید محمد ضیا کو اپنا جانشین مقرر کیا، اس کے کچھ ہی روز بعد

(۱) ان کے ایک مرید محمد اشرف اہلِ دل کے اس قافلہ میں زیادہ ممتاز تھے اور بڑے قوی نسبت بزرگ تھے، ان کا ذکر سیرتِ علمیہ اور برکاتِ احمدیہ میں بلند الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

علیل ہوئے اور بیماری نے نزاکت اختیار کرلی، انتقال کے وقت ان کے بھائی سید محمد ہدیٰ اور فرزندانِ گرامی سید محمد احسن وسید عظیم الدین شہید اور دوسرے خدام واہلِ تعلق چارپائی کے پاس موجود تھے، کچھ دیر نصیحتیں فرمائیں اور کچھ وصیتیں کیں، کسی کو اندازبھی نہ تھا کہ یہ وقت آخر ہے، اس کے بعد چند مرتبہ سورۂ إذا زلزلت الأرض تلاوت فرمائی اور چادراوڑھ لی، لوگوں کو خیال ہوا کہ سوگئے، جب اسی حال پر ایک ساعت گزرگئی تو ایک امیر نے جو حضرت شاہ علم اللہؒ کے مرید تھے، حال دریافت کیا، لوگوں نے کہا کہ کچھ دیر پہلے سورہ إذا زلزلت الأرض پڑھی اوراب شاید آرام فرما رہے ہیں، اس نے یہ سن کر کہا وہ ہمیشہ کے لئے آرام کررہے ہیں، اوراپنے رب سے جا ملے ہیں، جب تحقیق کی گئی تو یہ بات صحیح نکلی۔

تجہیز وتکفین کے بعد لاش تابوت میں رکھ کر رائے بریلی لائی گئی اوراپنے والد نامدار کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔(۱)، تاریخِ وفات ۱۲/رجب، روزِ جمعہ ۱۱۱۶ھ ہے، سید شاہ آیت اللہؒ کے دو صاحبزادیاں اور پانچ صاحبزادے تھے، سید محمد احسن، سید محمد ضیاء، سید عظیم الدین شہید، سید محمد فیاض اور سید محمد صابر۔ یہ سب صاحبزادے ورع وتقوی، شجاعت وسخاوت اور تعلق مع اللہ میں اپنے والد کے نقشِ قدم پر تھے اوران سب کے حالاتِ زندگی بہت اعلی وارفع ولائقِ رشک ہیں، لیکن سید محمد ضیاء اورسید محمد صابر اس شعبہ میں بہت ممتاز اور فائق نظر آتے ہیں، ان حضرات کا تذکرہ انشاءاللہ اپنی جگہ پر آئے گا۔

سید شاہ محمد ہدیٰؒ

سید شاہ محمد ہدیٰؒ، ایثار وسخاوت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، اور اسی کے ساتھ زہد وعبادت اور سلوک وریاضت میں بھی بہت بلند مرتبہ کے مالک اور عجیب و

---

(۱) سیرتِ علمیہ وتذکرۃ الابرار وبرکاتِ احمدیہ (قلمی)

غریب کمالات کے حامل تھے، مصنف ''سیرتِ علمیہ'' نے اعلام الہدی کے حوالہ سے ان کے جو واقعات لکھے ہیں ان کو پڑھ کر متقدمین کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

''اس امت کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا پہلا حصہ بابرکت ہے یا بیچ کا یا آخر کا۔

أو کما قال علیه الصلاة و السلام.''

ان کی سیرت میں سیدنا زین العابدین کی اس شان کی جلوہ ریزی تھی جس کے متعلق فرزدق نے یہ مشہور شعر کہا تھا:

ما قال لا قط إلا فی تشهده

لو لا التشهد کانت لاؤه نعم (۱)

مصنف ''نزہۃ الخواطر'' نے جو عموماً بہت جچے تلے الفاظ کا استعمال کرنے کے عادی ہیں اور القاب وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں' ان کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

''لم یکن فی زمانه مثله فی الإعطاء و الکرم''

سیرتِ علمیہ کے مصنف مولانا حکیم سید فخر الدین، اعلام الہدی مؤلفہ سید محمد نعمانؒ کے حوالہ سے ان کے داد و دہش اور جود و سخا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''نہیں'' کہنا جانتے ہی نہ تھے، داد وعطا کے وقت ان کو اس کا خیال ہی نہ رہتا تھا کہ سیکڑوں دے رہے ہیں، یا ہزاروں (۲)، اس کی فکر کبھی دامن گیر نہیں ہوتی تھی کہ اس قدر بذل وعطا اور مسلسل جود و سخا کے بعد گزر اوقات کیسے ہوگی اور ضروریات کیسے فراہم ہوں گی، ان کی شان ''یؤثرون علی أنفسهم و لو کان بهم خصاصة''

---

(۱) انھوں نے تشہد کے علاوہ کسی اور جگہ 'لا' (نہیں) نہیں کہا، اگر تشہد کا مسئلہ نہ ہوتا تو شاید وہ یہاں بھی 'نعم' یعنی ''ہاں'' کہتے۔

(۲) سیرتِ علمیہ (قلمی)

کے مطابق تھی۔

مولانا سید محمد نعمانؒ جو مولانا سید محمد ہدی کے پوتے اور خود ایک عالمِ ربانی اور صاحبِ نسبت شخص تھے' شہادت دیتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوا کہ کئی کئی فاقوں کے بعد کوئی چیز میسر آئی اور اسی وقت کوئی سائل یا صاحبِ حاجت آ گیا اور وہ چیز اس کے حوالہ کردی، یہاں تک ہوتا کہ کوئی حاجت مند سائل آتا اور اس وقت کوئی چیز دینے کو نہ ہوتی تو گھر تشریف لے جاتے اور اپنی اہلیہ محترمہ کا کوئی زیور سائل کو عطا فرما دیتے، سونے چاندی یا سونے چاندی کے سامان تک کو ہاتھ لگانا پسند نہ فرماتے تھے۔

یہ حال کسی مجبوری یا غربت وافلاس کی وجہ سے نہ تھا، کئی جگہ جاگیریں تھیں، بڑے صاحبزادہ سرکار اعظم شاہ میں ایک اچھے منصب پر فائز تھے، خود بادشاہ کے لشکر میں ملازم تھے، اور اس کا مشاہرہ ملتا تھا، اس کے علاوہ اپنے والد ماجد کے مخلصین واہلِ تعلق کی طرف سے ہدایا بھی آتے تھے، لیکن دل کا معاملہ کچھ اور ہی تھا اور اس کی وجہ سے ساری جاگیر ودولت ان کے حق میں بچوں کے کھیل، یا ہاتھ کے میل سے زیادہ بے وقعت اور کم قیمت ہوگئی تھی اور اتنی وافر آمدنی کے باوجود ہزاروں قرض ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک جاگیر سے ۱۲/ ہزار دینار (سکہ عالمگیری) آئے اسی مجلس میں سب تقسیم فرما دیے اور دامن جھاڑ کر اٹھ گئے اور رات فاقہ سے گزار دی، صاحبِ ''اعلام الہدیٰ'' ان کی اس شان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''درویش سیرت در لباس اہلِ دنیا وقلندر سریرت در صورت اغنیاء وکامل عامل آیہ کریمہ ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون'' بود ولیل ونہار کار ایشاں ایثار لوجہ اللہ الغفار بود۔''
>
> (اہل دنیا کے لباس میں درویش سیرت اور امراء واغنیاء کے لباس میں قلندر صفت ''لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون'' پر

پوری طرح عامل، اورشب وروز سخاوت وایثار سے مخمور)۔

ان کے ایثار وسخاوت بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں قربانی ومجاہدہ یا جذب وحال کے واقعات ایسے محیر العقول اوراس زمانہ کے معیار سے اس قدر بلند اوراس کے مزاج سے اتنے بعید ہیں کہ ان پر شاعری اور مبالغہ آرائی کا شبہ ہونے لگتا ہے، لیکن یہ واقعات اس شخص کے قلم سے ہیں جس کی ثقاہت شبہ سے بالاتر اور جس کا علمی وروحانی مرتبہ اور روحانیت وللّٰہیت نا قابلِ تردید ہے، اور جس کے تذکرہ کے لئے خود ایک علیحدہ باب کی ضرورت ہے، ذیل میں اس سلسلہ کے صرف چند واقعات قلمبند کئے جاتے ہیں کہ اس سے زیادہ کی نہ ہم کو ضرورت ہے نہ ہمت۔

ایک مرتبہ لشکر میں سخت قحط پڑا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے اپنے کو فروخت کرنا شروع کردیا، سید محمد ہدیؒ نے ان میں سے تین سو آدمیوں کو خرید لیا اور جب تک قحط رہا ان کو کھلاتے پلاتے رہے، قحط ختم ہوا تو ان سب کو آزاد کردیا۔(۱)

لشکر ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ تین فاقے ہو چکے تھے، خادم داؤد کسی جگہ سے سو روپے کا انتظام کر کے لائے اور مصلحتاً اس کو چار جگہ چھپا دیا، تھوڑی دیر میں ایک سائل آیا، خادم سے دریافت حال فرمایا کہ کوئی چیز ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں! (گفتند بر پائے من دست بگذار) مجبوراً ۲۵/روپیہ ایک جگہ سے لاکر پیش کئے، سب اس سائل کو عنایت فرمادئے۔ اسی طرح متواتر کئی سائل آئے اور سب روپیہ ختم ہوگیا اور چوتھے فاقہ کی نوبت آگئی، صبح کو داؤد سے کچھ کام کے لئے کہا، انھوں نے جواب دیا کہ بھوک کی وجہ سے قوت بالکل ختم ہو چکی ہے، فرمایا اے نامرد! چار فاقہ میں ہمت چھوڑ دی، اس کے بعد فرمایا کہ اس وقت مجھے غرباء کی دعوت کرنی ہے اس کا انتظام کرو، چنانچہ ایک جگہ سے ایک ہزار چار سو روپئے کی مالیت کا سونا قرض لیا اور اس کو

---

(۱) اعلام الہدیٰ۔

فروخت کر کے دعوت کا انتظام کیا اور لوگوں کو صلائے عام دے دی اور خود یہ وقت بھی فاقہ سے گزارا۔

سخاوت وداد ودہش کا یہ شوق یا جذب وحال اس قدر بڑھ گیا تھا کہ ناممکن تھا کہ کوئی شخص ان سے ملے یا ان کے پاس سے بلا دعوت یا عطیہ کے خالی ہاتھ گزر جائے۔

ایک مرتبہ ان کے مکان کے پاس ایک بارات ٹھہری، پوری بارات کو مہمانی میں لے لیا اور اس کے مصارف برداشت کئے۔

جاگیر کے دوتین گاؤں گھر والوں کے اخراجات کے لئے مخصوص کر دئے تھے اور دوتین عزیز واقارب واہلِ محلّہ کے لئے، باقی خود اپنے مصارف میں لاتے، لیکن یہ مصارف صرف یہی تھے جس کا تذکرہ ابھی گزرا ہے۔

شجاعت وسخاوت کے ان اوصاف وکمالات کے ساتھ تعلق مع اللہ، انابت اور زہد وتقویٰ کی وہ دولت حاصل تھی جو اس قسم کے سارے اعمال کی جان ہے، اور جس کے بغیر بڑے سے بڑا کمال بے قیمت اور بڑی سے بڑی ریاضت ونفس کشی نا قابلِ اعتماد ہے، ان کی چچی (والدہ سید محمد ممتاز) بیان کرتی ہیں کہ کم عمری ہی سے نصف شب کے بعد بیدار ہو جاتے تھے اور نمازِ تہجد کے بعد قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔

دوسرے مشائخ کی طرح طلوع صبح تک اور عصر ومغرب کے درمیان مراقبہ کا معمول تھا اور اس دستور میں شاذ ونادر ہی فرق آتا تھا۔

اکثر اوقات تلاوت سے معمور رکھتے، ایک ہفتہ میں آسانی کے ساتھ ایک قرآن مجید ختم کر لینے کا معمول تھا۔

بیعت کی عام اجازت نہ تھی، بہت مشکل سے بیعت کرتے تھے اور صرف

طلبِ صادق رکھنے والوں ہی کو طریقت کی تعلیم فرماتے اور وہ بھی اخفاء و خاموشی کے ساتھ۔

زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا یہ حال تھا کہ سارے وسائل و اسباب کے باوجود پختہ مکان بھی نہ بنایا، جب کسی نے اس کی ترغیب دی تو ارشاد فرمایا کہ دنیا کی چند سانسیں ہیں، چھپر میں گزر گئیں یا حویلی میں، دنیا کی ناپائیدار تعمیر میں کچھ صرف کرنا اس کو ضائع کرنا ہے۔ ہوشیار آدمی کو چاہئے کہ اپنا روپیہ آخرت کی پائیدار عمارت کی تعمیر میں لگائے، کچا مکان بنایا اور جنگل کی لکڑیوں اور پتوں کا چھپر ڈال لیا اور عمدہ عمارتی لکڑی تک سے پرہیز کیا، مولانا حکیم سید فخر الدین مصنف ''سیرت علمیہ'' و ''مہر جہاں تاب'' نے ان کی زندگی کے اس عجیب رنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے خوب لکھا ہے، اور ان کی صحیح تصویر کھینچ دی ہے:

''نان ایں جہاں خوردند و کارِ عقبیٰ ساختند در لباس دنیا کار فقراء کردند و ہر چہ از دنیا یافتند بکار آخت باختند''۔

(اس جہاں کی روٹی کھائی، اور آخرت کا کام بنایا، لباسِ دنیا میں فقراء کا کام کیا جو کچھ دنیا سے پایا آخرت پر لگایا)۔

نسبت باطنی اور یادداشت میں ملکہ قوی حاصل تھا، اورادِ ماثورہ، نوافل اور ذکر و شغل کا پورا التزام و اہتمام تھا، اور روپیے کی ریل پیل، آمد و خرچ اور ضیافت و مہمان نوازی اور ہمدردی و غم گساری کے کاموں اور مشغولیتوں کی وجہ سے اس کے حصہ میں کوئی کمی نہ تھی، مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا يبغيان.

صاحب اعلام الہدیٰ نے اپنی کتاب میں ان کے خوارق و کرامات کا بھی ذکر کیا ہے لیکن ان کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ ان کی دنیا ان کے دین کا زینہ اور ان کی نجات کا سفینہ بن گئی اور وہ اس کے بحرِ زخار میں رہ کر بھی تر دامن نہ ہوئے،

لشکر شاہی کا مشاہرہ گاؤں اور جاگیریں، اس فارغ البالی اور خوش حالی کے عہد میں کچھ معمولی بات نہ تھی، لیکن گزشتہ صفحات اس پر گواہ ہیں کہ اللہ کے بندے نے اس ساری دولت کو ہمیشہ دوسروں پر صرف کیا اور اپنے لئے فقر و فاقہ اور سلوک و مجاہدہ کی راہ پسند کی اور دمِ واپسیں تک اس جادۂ استقامت پر قائم رہے۔

شاہ گردی کے زمانہ میں وطن میں قیام رہا، جب سلطنت کو استقرار نصیب ہوا تو لشکرِ شاہی تشریف لے گئے اور اپنے فرزند سید محمد سنا اور برادر زادہ سید محمد باقی کو بھی اپنی معیت میں رکھا، بادشاہ کا کوچ حیدر آباد کی طرف ہوا، سید محمد ہدی راستہ میں برہان پور کے قریب بیمار ہوئے، سید محمد سنا فرماتے ہیں کہ: "۱۹/ربیع الاول ۱۱۱۹ھ کو استحضار کی کیفیت ہوئی، پالکی اسی وقت راستہ کے ایک کنارے پر رکھ دی گئی، اور کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے مالکِ حقیقی سے جا ملے، کہار ہندو تھے، ہم نے پسند نہیں کیا کہ جنازہ غیر مسلم لے چلیں، چنانچہ پالکی میں بانس لگا کر بعض خدام اور ہم لوگوں نے اس کو خود برہان پور پہنچایا، میر محمد باقی، میر محمد فیاض، سید فیض اللہ گردیزی اور علی اصغر وغیرہ ہمارے ساتھ تھے، برہان پور میں ایک نقشبندی شیخ کی خانقاہ میں تدفین عمل میں آئی اور ایک سال تک وہیں مدفون رہے۔ میں لشکر کے ساتھ حیدر آباد چلا گیا، ایک سال کے بعد بعض اعزہ وطن سے آئے اور تابوت لے کر برہان پور سے وطن کو روانہ ہوئے، اس زمانہ میں ہندوستان میں تابوت کو مال وزر کی منتقلی کے لئے خوب استعمال کیا جا رہا تھا اور اس کی وجہ سے قافلے اکثر خطرہ کی زد میں رہتے تھے اور ڈاکو اکثر اس دھوکہ میں تابوت کو تباہ و برباد کر دیتے تھے اور آدمیوں کو مار ڈالتے تھے، اس تابوت کو لے جانے والے بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کسی منزل پر ٹھہرتے اور اندیشہ محسوس کرتے تو اکثر سید محمد ہدیؒ خواب میں نظر آتے اور رحلت یا اقامت کے سلسلہ میں کچھ اشارہ فرماتے، چنانچہ ایک شب خواب میں دیکھا کہ تابوت کی طرف پشت کئے اور ہاتھ میں تسبیح لئے

اطمینان سے بیٹھے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ آج اسی جگہ قیام کرو، قافلہ کے لئے خطرہ ہے، اسی طرح کیا گیا، کئی دن گزرنے کے بعد ہم لوگوں نے دیکھا کہ قافلہ کے آدمی جن کا ہم نے ساتھ چھوڑ دیا تھا، مجروح وشکستہ حالت میں واپس آرہے ہیں اور ان کا سب اسباب وسامان لوٹ لیا گیا ہے، دوسری شب کو پھر خواب دیکھا فرمایا کہ آج سفر کرو خیریت ہے، اسی طرح تمام منزلوں پر ہوتا رہا اور ان ہی کے اشارہ پر سفر تمام ہوا اور ہم لوگ خیریت وسلامتی کے ساتھ وطن پہنچے اور پہلے نصیر آباد میں قیام کیا۔

سید محمد نورؒ (فرزند سید محمد ہدیٰؒ) کا بیان ہے کہ ایک سال گزر جانے کے بعد بھی لاش ایسی تھی جیسے آج انتقال فرمایا ہو، وہاں سے تابوت رائے بریلی لایا گیا اور قلعہ میں سید محمدؒ کی خانقاہ میں ایک شب گزار کر صبح دائرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ مسجد کے شمالی دروازہ کے بالکل سامنے اس چبوترہ پر مدفون ہیں جو مشرق سے مغرب تک مستطیل ہے اور کنویں سے متصل ہے۔(۱)

سید محمد ہدیٰ نے دو لائق فرزند یادگار چھوڑے، سید محمد نور اور سید محمد سنا۔ ان دونوں کا تذکرہ بعد میں آئے گا۔

سید ابوحنیفہؒ

سید ابوحنیفہؒ سید شاہ علم اللہؒ کے تیسرے اور بہت محبوب فرزند تھے، بہت کم عمر پائی، لیکن اس کم عمری میں آخرت کی حیاتِ جاودانی کا پورا سامان کیا۔

صاحب اعلام الہدیٰ لکھتے ہیں کہ سید شاہ علم اللہؒ کو ان سے بے حد محبت تھی، سفر حج میں بھی ان کی مفارقت گوارا نہ ہوئی اور اپنے ساتھ لے گئے، سید شاہ علم اللہؒ نے بہت اہتمام کے ساتھ ان کی تربیت فرمائی اور تعلیم دی، علوم باطنی اور سلوک کی تکمیل بھی اپنے والد کے ذریعہ کی، لطافت وپاکیزگی اور نزہت ونظافت میں کمال درجہ ممتاز

(۱) اعلام الہدیٰ، برکاتِ احمدیہ، تذکرۃ الابرار (قلمی) نزہۃ الخواطر، ج:۶ (مطبوعہ)

اور بہت سے صفات وکمالات کے حامل تھے، ۳۲ رسال کی عمر میں سحر کا اثر ہوا اور اسی میں انتقال فرمایا، استحضار کا وقت ہوا تو سید شاہ علم اللہؒ ان کے پاس بیٹھ کر سورۂ یسین پڑھنے لگے لیکن رقت اور تأثر کی وجہ سے ایک جگہ ان کی آواز بند ہوگئی، سید ابوحنیفہ نے فرمایا (بابا چنیں باید خواند) بابا اسی طرح پڑھتے رہیں، سید شاہ علم اللہؒ نے فرمایا جان پدر تم بھی پڑھتے رہو، انھوں نے جواب دیا کہ اس وقت اس کا پڑھنا نزولِ رحمت کا موجب ہے، میں بھی پڑھ رہا ہوں، بوقتِ شب ربیع الاول ۱۰۸۸ھ کو اس جہانِ فانی سے عالمِ جاوِدانی کی طرف رحلت فرمائی۔

والدہ محترمہ کے رونے کی آواز ٹھیک سے ظاہر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ سید شاہ علم اللہؒ نے فوراً منع فرمایا اور کہا کہ اگر اُف بھی کیا تو میں گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔

گھر سے کوئی آواز اور آہٹ بھی ایسی نہیں سنی گئی جس سے اس واقعہ کا علم ہوتا، اہلِ خانقاہ کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، شاہ صاحب نے صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی، نماز کے بعد خلافِ معمول مصلے سے اٹھ کر دروازے تک آئے اور خدامِ خاص میں سے ایک کو بُلا کر فرمایا کہ رات میاں ابوحنیفہ کا انتقال ہوگیا، تجہیز وتکفین کا انتظام کرنا چاہیئے، اسی دن دفن کرنے کے بعد متوجہ ہو کے فرمایا: الحمد للہ میاں ابوحنیفہ اس دنیا سے دولتِ ایمان کے ساتھ گئے۔

ایک ضعیفہ روزانہ چرخہ چلایا کرتی تھیں، گھر تشریف لے گئے، فرمایا آج چرخہ کیوں بند ہے؟ ان بڑی بی نے عرض کیا حضرت ایسا لائق وجوان بیٹا دنیا سے اُٹھ جائے اس کے غم میں ہم چرخہ بھی بند نہ کریں؟ فرمایا یہ سب قضا وقدر کی باتیں ہیں، اللہ کے حکم میں کسی کو دم مارنے کا چارہ نہیں، زندگی مستعار ہے، راضی برضا رہنا چاہیئے، تم اپنا کام بند نہ کرو۔(۱)

---

(۱) سیرتِ سید احمد شہیدؒ از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

سید محمد جیؒ

سید محمد جیؒ سید شاہ علم اللہؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے لیکن ان کے کبار خلفاء میں ہیں، بہت بلند احوال کے مالک اور قوی النسبت شیخ تھے، ساری عمر زہد و عبادت، نصیحت و موعظت، پیروئ سنت، عمل بر عزیمت اور اتباعِ شریعت میں گزری اور کسی موقع پر اس میں کوئی کمزوری یا لغزش نہ آئی، طریقت کے حقائق و معارف کے بیان اور ارشاد و تربیت میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے اور ایک طویل عرصہ تک ان کے بابرکت وجود اور روحانی فیض سے ہزاروں بندگانِ خدا نے فائدہ اٹھایا اور حق کا راستہ پایا۔

۱۰۷۰ھ میں ولادت ہوئی اور سن شعور ہی سے والد ماجد کے زیرِ تربیت رہے اور علومِ ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ ور ہوئے، آغازِ شباب ہی سے اسباب سعادت ان کے لئے مہیا اور آثار ولایت ان کے چہرہ سے عیاں تھے ؎

بالائے سرش زہوش مندی

می تافت ستارۂ بلندی

طریقت و سلوک کے انتہائی کمالات اور قرب و وصول کے مقامات اپنے والد کی زندگی اور ان ہی کی نگرانی اور رہنمائی میں طے کئے۔

شریعت و طریقت میں سید شاہ علم اللہؒ کے نقشِ قدم پر اور حقائق و معارف الٰہیہ کے بیان میں ان کی زندہ تصویر تھے، ان کی مجلس میں بیٹھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سید شاہ علم اللہؒ کی مجلس میں ہے اور ان کے فیضِ صحبت سے مستفید ہو رہا ہے، سید محمد جیؒ کا بیان ہے کہ چوں کہ رسول اللہ ﷺ بھی امی تھے اس لیے والد ماجد نے بھی محض آپ کی اتباع کے شوق میں نوشت و خواند اور خط و کتابت ترک کر دی تھی اور اس طرح کی تمام چیزیں میرے سپرد کر دی تھیں، جو کچھ لکھوانا ہوتا تھا اپنی زبان گھر بار

سے ارشاد فرمادیتے اور میں اس کو قلمبند کر لیتا، اس وجہ سے میں ہمیشہ سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہا، آخری ایام میں خلق سے بالکل کنارہ کش ہو گئے تھے، اگر کوئی زیارت کے لئے آتا تو امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر مشتمل ایک لکھا ہوا مضمون مجھے عنایت فرماتے کہ پہلے یہ ان کو جا کر سناؤ، پھر اگر ضرورت ہوتی تو میرے مشورہ کے بعد ملاقات کے لئے باہر تشریف لاتے، ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں کمال شفقت کے ساتھ مجھ سے ضرور مشورہ فرماتے۔(۱)

اپنا عمامہ، قمیص، شیخ الاسلام سید آدم بنوریؒ کی ایک ٹوپی اور حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی دستار مبارک، اپنا قرآن مجید جس میں خود تلاوت فرماتے تھے، اور اس طرح کے سارے تبرکات سید شاہ علم اللہؒ نے سید محمد جیؒ کو عطا فرمائے، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ساتھ اپنی وہ اصل دولت بھی عطا فرمادی جس کی وجہ سے یہ تبرکات، تبرکات سمجھے جاتے ہیں۔

سید شاہ علم اللہ کے انتقال کے وقت سید محمد جی کی عمر ۲۶/سال تھی، ایسے مشفق و مہربان باپ اور ایسے مرشد و مربی کا سایہ عین جوانی میں سر سے اٹھ جانا بہت بڑا حادثہ تھا، اس کا اثر ان کے دل پر قدرتی طور پر بہت پڑا، اور وہ زمانہ بڑے مصائب اور تکلیفوں میں گزرا، چنانچہ رفعِ کدورت کے لئے وطن کو خیر باد کہہ کر سیر و سیاحت کے لئے نکل گئے اور دو سال کے بعد وطن واپس تشریف لائے اور اس دو سال کی مدت میں مختلف مشائخ بالخصوص حضرت مجدد الفِ ثانیؒ شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندی کے خلفاء سے پورا فائدہ اٹھایا اور فیض حاصل کیا۔

آبائی مکان پر قیام کرنے کے بجائے اس سے ایک میل شرعی کے فاصلہ مشرقی جانب اندرونِ قلعہ قیام فرمایا اور وہاں ایک نیا مکان اور نئی مسجد تعمیر کی اور اپنے

---

(۱) اعلام الہدیٰ، سیرت علمیہ، و دیگر مصادر۔

والد کے اصحاب اور سالکین راہ کے ساتھ ارشاد و ہدایت اور خدمت خلق میں مشغول ہوگئے، تھوڑے ہی عرصہ میں قبولِ عام اور رجوعِ تام حاصل ہوا، اور یہ جگہ ایک ایسا مرکز اصلاح بن گئی جہاں ان کے والد ماجد سے تعلق رکھنے والے تمام اشخاص اور دوسرے طالبانِ حق جوق در جوق آتے اور اپنی پیاس بُجھاتے، نہ جانے اللہ کے کتنے خوش قسمت بندے ان کے انفاس متبرکہ کی برکت اور فیض صحبت سے قیدِ خود پرستی سے آزاد اور قرب ووصال کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

ارشاد و ہدایت کا یہ شہرہ اتنا بڑھا کہ ایک روز ناظم صوبہ الہ آباد (جو ہندو تھا) رائے بریلی وارد ہوا اور سید محمد جیؒ کی زیارت وشرف ملاقات کے لئے قلعہ کے اندر خانقاہ میں پہنچا، سید محمد جیؒ اس وقت مکان میں تشریف لے جا چکے تھے، ناظم نے حاضری کی اطلاع دی اور آرزوئے ملاقات ظاہر کی، انھوں نے فرمایا کہ اگر جامع مسجد میں فقیر کی موجودگی کے وقت تشریف لے آتے تو ملاقات ومصافحہ سے کچھ عذر نہ تھا، امر بالمعروف اور دعوتِ اسلام کے بعد اپنے حق سے بری الذمہ ہوجاتا، لیکن اب تمنائے اسلام کے بغیر حجرہ سے باہر آنا اور آپ سے ملاقات کرنا میرے لئے مشکل ہے، اگر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ہو تو شوق سے تشریف رکھیں، ملاقات کروں گا اور اپنا بھائی سمجھوں گا، ورنہ واپس تشریف لے جائیں، یوں یہ فقیر اللہ کے تمام بندوں کے لئے دعا گو ہے، اس نے یہ سن کر پیغام رساں سے کہا کہ وہ تو اپنے حقوق سے عہدہ برآ ہوگئے اور میں اپنی بے نصیبی کی وجہ سے دولتِ دیدار سے محروم رہا، اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اس زمانہ میں ایسا شیخ اور سید دیکھنے میں نہیں آیا، عام طور پر تو مشائخ امیروں اور ناظموں کی آمد کی تمنا میں رہتے ہیں، اس کے لئے مختلف حیلے اور ترکیبیں کرتے ہیں کہ امراء واغنیاء ان کے آستانہ پر حاضر ہوں اور اس مقصد کے حصول کو معراج دنیاوی سے کم نہیں سمجھتے، لیکن اس سید عالی ہمت کی شان ہی دوسری ہے۔

ساری زندگی اسی زہد وتقوی اور ارشاد وتربیت میں گزار کر ۲۴ ربیع الثانی ۱۱۵۶ھ کو مالکِ حقیقی سے جا ملے اور عشاء ومغرب کے درمیان مسجد سید شاہ علم اللہؒ کے جنوب مغرب میں ''مولسری'' کے درخت کے نیچے آسودۂ خاک ہوئے۔

ان کی نسبتِ صحیحہ اور دعوتِ باطنی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا عبد الحیؒ نے حسبِ ذیل الفاظ لکھے ہیں جس سے ان کے علوئے مرتبت پر روشنی پڑتی ہے:

"و کان آیة باهرة و نعمة ظاهرة فی النسبة الصحیحة وقوة التأثیر فی إلقاء النسبة."

(نسبتِ صحیحہ، قوتِ تاثیر اور توجہ ڈالنے میں وہ اللہ تعالی کی کھلی ہوئی نشانی اور نعمت تھے)

صاحبِ ''بحرِ زخار'' نے شاہ صاحب کے فرزندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے متعلق لکھا ہے:

''خصوصاً میر سید محمد از ہم خردتر بود و مانند آخریں مصرعہ رباعی، از غایت تصوف مذاق دیگر نداشت، خلائق بمداحی اومی کوشد۔''

(خاص طور پر میر سید محمدؒ ان سب سے چھوٹے اور رباعی کے آخری مصرعہ کی مانند تھے، تصوف وسلوک کے سوا اور کوئی مذاق نہ رکھتے تھے، ایک خلقت ان کی مدح میں رطب اللسان ہے۔)

معمولات

عادت شریف یہ تھی کہ عشاء کی نماز پڑھتے ہی مکان تشریف لے جاتے، اس وقت اکثر اہلِ تعلق واحباب دروازہ تک ہمراہ رہتے، صبح کی نماز کی سنتیں گھر پر پڑھتے اور اسکے بعد مسجد تشریف لاتے اور اپنے صاحبزادہ شاہ محمد عدلؒ (جو بعد میں ان کے جانشین اور بہت بڑے شیخ وقت ہوئے) کی اقتدا میں صبح کی نماز ادا کرتے، نماز

اور اشراق سے فراغت کے بعد خدام و مریدین اکثر مسجد کے دروازوں پر بیٹھ جاتے اور خود دیوار کی طرف پُشت کر کے قبلہ رو ہو کر مراقب ہو جاتے، ظہر کی نماز سے کچھ وقت پیشتر مکان تشریف لے جاتے اور حوائج ضروری سے فراغت کر کے ظہر کی نماز کی تیاری کرتے اور مسجد تشریف لاتے اور پھر عشاء تک اسی قسم کے معمولات میں مشغول رہتے اور اس کے بعد زائرین و محبین کی طرف رخ کر کے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ رخصت ہوتے اور دعا فرماتے۔ جس دن سفرِ آخرت تھا، اس دن بھی حسبِ دستور صبح کی نماز کے لئے مسجد تشریف لائے اور وہ سارے معمولات پورے فرمائے جن کا ذکر ابھی گزر چکا ہے، اس کے بعد مکان تشریف لے گئے اور ایسا تپ شدید لاحق ہوا کہ کھڑے یا بیٹھ کر نماز پڑھنا مشکل ہو گیا اور لیٹ کر نماز ادا کی، ان کا معمول تھا کہ فرائض و سنن کے علاوہ نوافل بھی عذر یا بے عذر بیٹھ کر نہ پڑھتے تھے۔ (۱)

ایک اہم تصنیف

ان کی ایک اہم تصنیف ''شرح کلمات نقشبندیہ'' سلسلۂ نقشبندیہ کی مخصوص اصطلاحات کی شرح و توضیح اور ان کے اسرار و معانی کے بیان میں بکثرت چیزیں لکھی گئی ہیں، اور اس سلسلہ کے بہت سے اکابر نے اس کی تشریح کی ہے لیکن اس کتاب کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں ان اصطلاحات کو نسبتاً جس عام فہم اور شگفتہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے اور ان کی جو واضح اور معین تعریف کی گئی ہے وہ اکثر کتابوں میں نہیں ملتی، اس کے ساتھ اس میں بہت سے دوسرے معارف و حقائق، علوم و اسرار اور علمی فوائد موجود ہیں جن سے مصنف کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لکھنے والے کا خود اپنا حالِ دل ہے جو وہ ''حدیثِ دیگراں'' کے پردہ میں بیان کر رہا ہے۔

مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے ''سیرت علمیہ'' کے حواشی پر اس کتاب کے متعلق

---

(۱) برکاتِ احمدیہ از مولانا سید ابوالقاسم ہسویؒ (قلمی)

یہ لکھا ہے:

''از تصانیفش شرح کلمات خواجگان نقشبند در غایت متانت و توضیح یادگار است، بہتر ازاں شرح نہ دیدہ شد۔''

(ان کی تصنیفات میں شرح کلمات خواجگان نقشبند متانت وتوضیح میں یادگار ہے، اس سے بہتر شرح نظر سے نہیں گزری۔)

راقم سطور نے کتاب کا جو مجموعہ دیکھا ہے اس سے اس بات کی حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے، جملہ کے دوسرے جز یعنی (بہتر ازاں شرح نہ دیدہ شد) کی اہمیت و وقعت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ مصنف ''نزہۃ الخواطر'' اور ''الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند'' کا قول ہے جس کے قلم نے ساڑھے چار ہزار سے زائد اعلام کا تذکرہ لکھا ہے۔

اس کتاب کے دو نادر قلمی نسخے مولانا سید عبدالحیؒ کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں، ان میں سے ایک اسی خاندان کے ایک فرد سید نجم الہدیٰؒ کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا ہے، کتاب کے پہلے صفحہ پر ان کے قلم سے یہ تمہیدی سطور موجود ہیں:

''ایں نسخۂ متبرکہ را فقیر از رامپور از دست خود نقل نمودہ بود، ازاں کتابے کہ نقل نمودم بسیار از روئے الفاظ غلط بود لہذا ایں ہم از روئے الفاظ غلط است، اتفاق مقابلہ بکتاب صحیح نہ شدہ است، امید کہ ہر کہ بخواند صحت کردہ وتحقیق کردہ بخواند، ہر کہ خواند طمع دعا دارم زانکہ من بندۂ گنہگارم، والسلام علی من اتبع الھدی، کاتبہ ومالکہ فقیر محمد نجم الہدیٰ۔''

(اس متبرک نسخہ کو فقیر نے اپنے ہاتھ سے رامپور میں نقل کیا، جس کتاب سے میں نے اس کو نقل کیا اس میں از روئے الفاظ غلطیاں بہت تھیں، لہذا اس میں بھی وہ غلطیاں باقی ہیں، صحیح نسخہ

سے مقابلہ کا موقع نہ مل سکا، امید ہے کہ جو اس کو پڑھے گا وہ صحت اور تحقیق کا خیال رکھے گا۔ جو اس کو پڑھے میں اس سے دعا کا امیدوار ہوں اس لئے کہ بندہ گنہگار ہوں، و السلام علی من اتبع الھدی، کاتب و مالکِ کتاب ہذا فقیر محمد نجم الہدی۔)

دوسرا نسخہ زیادہ صحیح ہے اور اس میں وہ غلطیاں نہیں ہیں، یا نہ ہونے کے برابر ہیں جو اس نسخہ میں جا بجا ملتی ہیں۔

اس نادر اور بیش قیمت کتاب کے جستہ جستہ اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں، اس سے ہم ان کے خیالات اور دلی جذبات کو خود ان کے الفاظ میں سمجھ سکیں گے۔

مشائخ نقشبندیہ کی مشہور اصطلاح خلوت در انجمن کی تشریح انھوں نے جس طرح کی ہے اس سے ان کی بلند نظری اور علوئے مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے اور بہت سی وہ مشکلات حل ہو جاتی ہیں جو اس زمانہ کے سالکین و اہلِ حق کو پیش آتی ہیں، یہ بات اس انداز میں وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان وادیوں سے گزر چکا ہو اور سب نشیب و فراز خوب پہچانتا ہو ؎

خوشتر آید آں کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

"اے برادر! این ہم تحمل و تکلف در ابتداء و توسط است، در انتہا ازیں تحملات ہیچ در کار نیست، در عین تفرقہ جمعیت است و در نفس غفلت حاضر اند، اینجا کسے گمان نبرد کہ تفرقہ و عدم در حق منتہی مطلقاً مساوی است لا، بلکہ مراد آنست کہ تفرقہ و عدم در نفس جمعیت باطنی او برابر اند۔"

(بھائی یہ سب تحمل اور تکلف ابتدا اور وسط میں ہے، انتہا میں ان

تحملات کی چنداں ضرورت نہیں، اس وقت تو عین منتشار کے موقع پر سکون اور غفلت کے مواقع پر حضور نصیب ہوتا ہے اس جگہ کسی کو گمان نہ ہو کہ منتہی کیلئے تفرقہ وعدم تفرقہ مطلقاً برابر ہے، ہر گز نہیں، مراد صرف یہ ہے کہ اس کی جمعیت باطنی کے سامنے یہ دونوں چیزیں برابر ہیں۔)

آگے لکھتے ہیں:

''باید دانست کہ در بعض اوقات از تفرقہ چارہ نبود کہ حقوق خلق ادا باید کردی، پس تفرقہ ظاہر نیز در بعض اوقات مستحسن گشت، اما تفرقہ باطن در ہیچ وقتے از اوقات جائز نیست کہ آن خالص برائے حق است سبحانہ وتعالیٰ، پس سہ حصہ از عباد مسلم برائے حق تعالیٰ شد، باطن بہ تمام، نصفے از ظاہر نیز، ونصف دیگر از ظاہر برائے ادائے حقوقِ خلق باقی ماند، اما در ادائے آں حقوق ہر گاہ امتثال اوامرِ حق سبحانہ وتعالیٰ است، آں نصف دیگر ہم راجع بحق گشت سبحانہ، إليه يرجع الأمر كله فاعبده و توكل عليه، و ما ربك بغافل عما تعملون.''

(جاننا چاہئے کہ بعض اوقات انتشار وتفرقہ سے چارہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ حقوق خلق کی ادائیگی ضروری ہے، پس یہ ظاہری انتشار بھی بعض اوقات مستحسن اور موجب ثواب ہے، لیکن قلبی انتشار اور دل کا مختلف چیزوں میں بٹا رہنا اور اٹکا رہنا کسی وقت بھی جائز نہیں، اس لئے کہ وہ خالص حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے ہے، مسلم بندہ کی زندگی کے تین حصے حق تعالیٰ کے لئے ہونے

چاہئیں، باطن تو بلا کم و کاست، ظاہر کا بھی نصف حصہ، بقیہ نصف
حقوقِ خلق کی ادائیگی کیلئے لیکن اس نصفِ آخر میں بھی ہر لمحہ اور
ہر لحظہ اوامرِ الٰہی کو مدنظر رکھنا چاہئے، اس وقت یہ نصفِ آخر بھی
اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہو جائے گا۔ (آیت) بے شک ہر چیز اسی
کی طرف لوٹنے والی ہے، بس اسی کی عبادت کرو، اسی پر بھروسہ
کرو، اور تمھارا رب اس سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو۔)

بیعت و صحبت کی ضرورت

بیعت و صحبت کی ضرورت اور امام و رہبر کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک عجیب اور آسان مثال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے لئے محض مراسلت یا محض مطالعہ کافی نہیں، وہ کہتے ہیں کہ جو لوگ خود اپنے مطالعہ و تحقیق یا اپنے مجوزہ مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ وصول الی اللہ کے طالب ہیں، ان کی مثال اس وضو کرنے والے کی سی ہے، جو باوجود پاک و صاف ہونے اور جذبہ صادق کے امام کا محتاج ہے، اور کسی حال میں اس سے مستغنی نہیں۔

''چوں ایں ہمہ کرد مثال او رمثل کسے بود کہ طہارت اکنوں او را با
امام حاجت بود کہ با اقتدا کند، در کلام مجید فرمودہ است ''اتقوا
اللہ و کونوا مع الصادقین.''

(ان سب ریاضتوں و مجاہدات کے بعد بھی اس کی مثال اس
شخص کی سی ہوگی جو اپنی طہارت کے شرائط تو پورے کر چکا ہے
لیکن اب بھی اس کو امام کی ضرورت ہے جس کی اقتدا کر سکے،
اسی لئے کلام مجید میں آیا ہے (اللہ سے ڈرو اور سچے اور مخلص
بندوں کے ساتھ رہو)۔

آ گاہی و بے قراری

وہ کہتے ہیں کہ وصول الی اللہ کے راستہ میں جو بے آرامی و بے قراری نظر آتی ہے وہ خود بہت بڑی دولت ہے اور حفاظت کے قابل ہے، عبدیت اور محبت کا تقاضا یہی ہے کہ اس درد کو سینہ سے لگایا جائے اور اس کو خدا کی بہت بڑی عنایت اور نعمت سمجھا جائے۔

''روح ذکر آنست کہ آ گاہ بحق سبحانہ باشد، ایں آ گاہی است کہ دل را بخود آرام دہد واز غیر خود متعرض گرداند......کمال سعادت جز ایں نیست کہ او را حق سبحانہ وتعالی بخود مشغول گرداند ہر چہ شود از سخن بہتر باشد کہ او گرفتارِ آنحضرت شد جل شانہ ''لیس للإنسان إلا ما سعی.'' آنچہ مطلوب است بے آرامی بیش نیست و نالیدن از درد و فرقت...... چوں بے قراری و بے آرامی در تو ظاہر شد با کمال بندگی مستحق شدی، اگر عنایت فرمودہ بشرف یافت می شود وحصول رسانند آں کار خداوند است جل ذکرہ۔

(ذکر کی روح یہ ہے کہ حق سبحانہ کی آ گاہی نصیب ہو، اور آ گاہی یہی ہے کہ وہ دل کو اپنے ساتھ آرام دیتا ہے اور اپنے غیر سے ہٹا دیتا ہے...... کمالِ سعادت بس یہی ہے کہ اللہ تعالی اس کو اپنے ساتھ مشغول بنالے، اور اپنے کاموں میں لگائے رکھے خواہ کچھ بھی ہو، اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ اللہ تعالی کا گرفتار ہے: لیس للإنسان إلا ما سعی، جو کچھ مطلوب ہے وہ بے آرامی اور درد و فرقت کے ساتھ گریہ وزاری کے سوا کچھ نہیں ...... یہ بے قراری و بے آرامی اس کی علامت ہے کہ کمالِ بندگی

اس کو حاصل ہے۔ اگر عنایت ہوگی تو مشرف وسرفراز کریں گے اور مقصود تک پہنچادیں گے، یہ کام خدا کا ہے بندہ کا نہیں۔)

ذکر کے اثرات

''باید دانست کہ قابلیت در اصل خلقت متفاوت است، کسے باشد بآنچہ از ذکر مقصود است باندک فرصت برسد و کسے باشد کہ بدیر برسد و کسے باشد کہ بحقیقت ذکر کہ عبارت از پاک شدن دل است از التفات بغیر سبحانہ بطرف جذبہ بہ سبب مناسبتے کہ او را باشد بالتفات خاطر برگزیدہ از غیر حق سبحانہ وتعالیٰ مشرف شود، لیکن نگاہداشت ایں دولت دشوار باشد۔''

(جاننا چاہئے کہ استعداد وقابلیت انسانوں میں مختلف ہوا کرتی ہے، کوئی ایسا ہوتا ہے کہ ذکر کے مقصود تک ذرا سی دیر میں پہنچ جاتا ہے، کوئی ایسا ہوتا ہے کہ جس کو زیادہ دیر لگتی ہے، کسی کو ذکر کی حقیقت جو غیر اللہ کی طرف التفات سے دل کو پاک کرنے کے مرادف ہے اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ کوئی جذبہ اس مناسبت سے مل کر جو اس میں پہلے سے موجود ہوتی ہے اس کو اس درجہ پر اچانک پہنچادیتا ہے لیکن اس دولت کی حفاظت دشوار ہوتی ہے۔)

سید محمد ضیاء اللہ بن شاہ محمد آیت اللہ

حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے سب سے بڑے صاحبزادہ شاہ آیت اللہؒ کے پانچ صاحبزادے تھے، سید محمد احسن، سید محمد ضیاء، میر عظیم الدین شہید، سید محمد فیاض اور سید محمد صابر۔ سید محمد ضیاء نے تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی اور درسیات کی تکمیل بھی انھیں سے کی، شاہ آیت اللہ نے دکن کے سفر کے وقت ان کو اپنا جانشین

مقرر کیا، والد کی وفات کے بعد تیس سال تک مسندِ ارشاد و اصلاح کو زینت بخشی اور بہت سے اہل ہمت و اہل طلب ان سے فیض یاب ہوئے۔

مولانا سید نعمان لکھتے ہیں کہ میں نے ان کے مرید محمد یونسؒ سے ملاقات کی اور ان کو بہت قوی النسبت اور شریعت و طریقت میں ثابت قدم پایا۔

۱۲/ رمضان المبارک ۱۱۴۶ھ کو جمعہ کے دن انتقال فرمایا، استحضار کے وقت زبان پر جزاک اللہ جاری تھا، اسی حال میں جان، جان آفریں کے سپرد کی۔

دو نامور فرزند یادگار چھوڑے، ایک سید شاہ ابو سعیدؒ (م: ۱۱۹۳ھ) جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاص رجال میں تھے، دوسرے سید محمد معینؒ۔

سید محمد صابر بن شاہ آیت اللہؒ

سید محمد ضیاء کے بعد سید محمد صابر ان کے جانشین ہوئے، اور یہ چشمۂ رشد و ہدایت، تشنگانِ معرفت کو اسی فیاضی کے ساتھ سیراب کرتا رہا۔ ابتداء میں دہلی اور سرہند تشریف لے گئے، اور خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادہ خواجہ محمد صدیق (جن کی ذات اس وقت مرجعِ خاص و عام تھی) کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہ کر سلوک کے منازل طے کئے اور اعلی ترقیات و بشارات سے بہرہ ور ہوئے اور تکمیلِ سلوک کے بعد اجازت و خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ ان کی والدہ سید شاہ علم اللہؒ کی تربیت یافتہ تھیں اور سلوک و طریقت میں بہت سے مردانِ خدا اور سالکینِ راہ سے آگے تھیں، بہت قوی نسبت رکھتی تھیں، اور سید شاہ علم اللہؒ کی مجاز ارشاد اور ان کی نسبت باطنی کی وارث و امین تھیں، انھوں نے سید محمد رضا کے انتقال کے بعد اپنے لائق و ارجمند فرزند کو دہلی سے طلب کیا، پہلے ان کو اس نسبت کی توجہ دی، جو ان کو سید شاہ علم اللہؒ سے حاصل ہوئی تھی، اور اس کے بعد سید محمد ضیاء کی امانت و جانشینی ان کے سپرد کی، سید محمد صابر کو بہت قبول عام حاصل ہوا اور طالبانِ خدا ان کی تربیت میں آکر بڑی تعداد میں

فائز اور کامران ہوئے اور مقصدِ اعلیٰ تک پہنچے۔

مولانا نعمان لکھتے ہیں کہ: ''اس فقیر نے ان کے بہت سے ایسے مریدوں کو دیکھا ہے جو مقصود اصلی تک پہنچ چکے تھے اور ان کو نسبت خاصہ، فراست صادقہ اور قوت کشف وادراک بھی حاصل تھی۔''

سید محمد صابر، اخلاق و مروت اور ایثار و سخاوت میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، جو کوئی بھی ملنے آتا اس کو کچھ دئے بغیر کبھی رخصت نہ ہونے دیتے۔ ایک مرتبہ ایک وارد خانقاہ جو کئی روز سے رخصت ہونا چاہتے تھے اور سید محمد صابر اس وجہ سے ان کو روک لیتے تھے کہ کہیں سے کوئی چیز تحفہ میں آئے تو ان کو عنایت فرمائیں۔ یہ جانے پر زیادہ مصر ہوئے، جمعہ کا دن تھا، سید محمد صابر ایک نئی اور نفیس دستار سر پر باندھے ہوئے تھے، نمازِ جمعہ کے بعد وہی دستار انھوں نے سر سے اُتار کر ان صاحب کو عنایت فرمادی اور کہا کہ بھائی اس کو قبول کرلو اور فروخت کر کے اپنے کام میں لاؤ۔ جو شخص ملاقات کو آتا اس کے سامنے کچھ لاکر ضرور رکھتے۔

مولانا سید محمد نعمان ان کی وجاہت ظاہری، قوت روحانی اور ان کے کمال و جمال کا عقیدت و محبت کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: ''ان کی طرف دیکھنا سرمایۂ سرور، ان کی صحبت وسیلۂ حضور تھی، درویشانِ عالی مقام کی وجاہت ان کے جمالِ باکمال سے نمایاں اور اولیاء کرام کا نور ولایت ان کی پیشانی سے عیاں تھا، جو ان کو دیکھتا جنیدؒ و شبلیؒ سے تشبیہ دیتا، اکثر میں نے ان کو عید کی نماز میں حضرت سید شاہ علم اللہؒ کا عمامہ اور قمیص پہنے ہوئے دیکھا اور کمالِ شوق و ذوق سے دل میں رقت و گداز کی عجیب کیفیت پیدا ہوئی۔

اس نسبت روحانی، قوت ادراک اور سماع و بدعات سے نفرت کا اندازہ ذیل کے اس واقعہ سے ہوگا:

مولانا سید نعمان' اعلام الہدیٰ میں لکھتے ہیں کہ خانوادۂ علم اللّٰہی کے چند بچے اس زمانہ میں امیٹھی میں تعلیم حاصل کررہے تھے، ایک مرتبہ ملا جیونؒ کے عرس میں پہنچ گئے، وہاں محفلِ سماع گرم تھی، کسی نے مجلس میں کہا کہ حضرت سید صاحب (شاہ علم اللہؒ) کے فرزند یہاں موجود ہیں، اور سماع ناپسند کرتے ہیں، ان کے پاس ادب میں ہمیں سماع روک دینا چاہیے، مولانا عبداللہ امیٹھوی نے (جو ملا جیون کے پوتے اور استادالہند ملا نظام الدین کے شاگرد تھے) کہا کہ طالب علم ہیں، ان کے لئے اس اہتمام کی کیا ضرورت؟ جب سید محمد صابر بیمار ہوئے اور ان کے صاحبزادہ سید محمد واضح دہلی سے امیٹھی ہوتے ہوئے رائے بریلی واپس ہوئے تو مولانا عبداللہ کو (جو ان کے استاد بھی تھے) اپنے ہمراہ لیتے آئے، مولانا عبداللہ راستہ میں بہلی سے گر گئے اور پیر میں اتنی سخت چوٹ آئی کہ بہت دن تک چلنے پھرنے سے معذور رہے، اس درمیان میں کئی مرتبہ سید محمد صابر سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، انھوں نے کچھ عذر کر دیا۔ ایک دن مولانا سید محمد واضح، مولانا سید محمد معین، شاہ ابوسعید صاحب اور سید محمد معتصم ایک وفد کی صورت میں حاضرِ خدمت ہوئے، سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ مولوی صاحب ملنے کے بہت مشتاق ہیں، آپ ان کو ملنے کا موقع کیوں نہیں دیتے، فرمایا: عزیزو! میں کیا کروں، حضرت جی (سید شاہ علم اللہؒ) اس واقعہ سے آزردہ ہیں، اس کے بعد امیٹھی کے سماع کا وہ قصہ سنایا، جو ان میں سے کسی کو معلوم نہیں تھا، یہ بھی فرمایا کہ پیر کی چوٹ بھی دراصل خدا کی طرف سے ایک تنبیہ تھی۔

خوش الحان اتنے تھے کہ جو بھی ان کی آواز سن لیتا بے قابو ہو جاتا، صاحب ''اعلام الہدیٰ'' لکھتے ہیں:

''در قرأت اقرأ زمان بودند و لہجہ فصیح و لحنے حزین داشتند کہ اربابِ ذوق بشنیدش بر جا نمی ماندند و عوام بہ رقت می آرند۔''

(اپنے زمانہ کے بہترین قراء میں ان کا شمار تھا، نہایت فصیح لہجہ اور پرُسوز آواز تھی، اہل ذوق پر ان کی قرأت سن کر ایک حال طاری ہو جاتا اور عوام پر رقت و گریہ۔)

ان کے حالات کا اختتام مولانا سید نعمان نے ان الفاظ پر کیا ہے:

''غرض داد درویشی کما ینبغی دادند، و ہر چہ بکاملانِ این طائفہ می بایست بانجام رسانیدند۔''

(ولایت و درویشی کا حق ادا کر دیا اور اس سلسلہ کے کاملین کے لئے جو زیبا تھا وہ کر دکھایا۔)

حکومت وقت کی طرف سے سید شاہ محمد صابر کو کڑا کے مقامات میں تین گاؤں نذر کیے گئے، جن کا مصرف مسافرین و فقراء اور طالبین سلوک کی خدمت اور ان کی ضروریات کو پورا کرنا تھا، اس فرمانِ شاہی کی پُشت پر عمدۃ الملک مدار المہام اعتماد الدولہ قمر الدین بہادر جنگ کے دستخط ہیں اور رقبہ وغیرہ تحریر ہے۔

۱۱۶۳ھ میں وفات پائی اور نامور فرزند مولانا سید محمد واضح اور تین صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں، اور تکیہ شاہ علم اللہؒ میں مسجد کے شمال مغربی گوشہ کے قریب سپرد خاک کیے گئے۔

سید محمد احسن بن سید شاہ آیت اللہ

سید محمد احسن نے بڑی وجاہت و ریاست، امانت و دیانت اور زہد و تقوی کے ساتھ زندگی گزاری، دنیا ان کے قدموں پر تھی لیکن ان کا دل اس کی آلودگی سے پاک تھا، والد کی وفات کے بعد جنازہ کے ساتھ وطن رائے بریلی تشریف نہ لائے، بلکہ بادشاہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں رائے بریلی اور اس کے اطراف 'بیسواڑہ' 'ہتورہ' کے علاقے ان کے سپرد کر دئے گئے، اس وقت رائے بریلی

میں شیرانیوں کے مشہور خاندان کی عمل داری تھی جو افغانی النسل تھے اور بڑے شورہ پشت لوگ تھے، جب سید محمد احسن نئے حاکم بن کر یہاں تشریف لائے تو شیرانیوں کو ان کا آنا بہت ناگوار ہوا اور انھوں نے قلعہ رائے بریلی میں قلعہ بند ہو کر اس کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اندر اندر یہ منصوبہ بنایا کہ جب سید محمد احسن عید کی نماز پڑھنے جائیں تو ان کو شہید کر کے اپنی حکومت بحال کر لی جائے، سید محمد احسن کو ان کے ارادوں کا کچھ علم نہ تھا، انھوں نے اس مرتبہ اپنے برادر اصغر سید عظیم الدین کو اپنی جگہ عید گاہ بھیجا اور خود اپنے جد امجد سید شاہ علم اللہؒ کی مسجد میں ٹھہر گئے، عید گاہ کے خطیب اور قاضی شہر کو شیرانیوں کے ارادوں کا علم ہو گیا تھا اس لئے وہ نہیں آئے اور سید عظیم الدین نے شیخ عبدالواسع کو امامت کے لئے مقرر کیا، جب شیخ عبدالواسع امامت کے لئے بڑھے تو شیرانیوں کے اسلحہ بند دستہ نے جو اسی غرض سے آیا تھا، سید محمد احسن سمجھ کر ان کا راستہ روک لیا، انھوں نے کہا کہ ہم تو نماز کے لئے آئے ہیں، آپ ہماری راہ میں کیوں مزاحم ہوتے ہیں؟ اس درمیان میں بات بڑھی اور ان لوگوں نے شمشیر اٹھالی، سید عظیم الدین نے جب صورتِ حال اس طرح خراب ہوتے دیکھی تو اپنے دوستوں اور ہمراہیوں سے یہ کہا کہ جس کا جی چاہے یہاں سے چلا جائے اور اپنے کو خطرہ میں نہ ڈالے، اس کے بعد شیرانیوں کی طرف بڑھے، ساتھیوں نے روکا اور کہا کہ اپنی جان خواہ مخواہ خطرہ میں کیوں ڈال رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں خدا سے ہمیشہ شہادت کی آرزو رکھتا تھا، اب جب کہ یہ موقع سامنے ہے میں اس سے روگردانی نہیں کروں گا، آخر کار وہ لوگ ان پر جھپٹ پڑے اور معرکہ آرائی شروع ہو گئی اور سید عظیم الدین، سید محمد جائسی اور دو ایک اور رفقاء ان ظالموں کے ہاتھوں شہید ہو گئے، جس وقت سید عظیم الدین اور ان کے رفقاء کی شہادت کی خبر تکیہ شاہ علم اللہؒ میں پہنچی (جو شیرانیوں کے مرکز سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے) اس وقت ان کے بھائی سید محمد ضیاء منبر پر کھڑے ہوئے نمازِ

عید کا خطبہ دے رہے تھے، یہ خبر ان کے کانوں میں پڑی لیکن کمالِ استقامت وسنجیدگی کے ساتھ انھوں نے خطبہ پورا کیا اور شہداء کے لئے دعاءِ مغفرت کی، سید محمد احسن ان کا جنازہ لے کر والدہ ماجدہ کی خدمت میں لائے، ماں نے چہرہ پر سے کپڑا ہٹایا، شہید بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اللہ کے سپرد کر دیا۔

دوسری طرف سید محمد احسن نے اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے ساتھ ان سب کو قلعہ میں گھیر لیا اور یہ چاہا کہ اسی وقت ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیں، لیکن یہ خیال کر کے کہ عم محترم سید محمد جیؒ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ قلعہ میں تشریف رکھتے ہیں کہیں ان کو کوئی ضرر نہ پہنچ جائے، ان سب کو امان دی اور قلعہ بدر کر دیا، لیکن خونِ شہیداں بالآخر رنگ لایا اور تھوڑے ہی عرصہ میں ان کا سارا قبیلہ اور آبادی جو شیرانہ ڈی کے نام سے موسوم تھی بالکل تباہ وبرباد ہوگئی، نہ اس کا کوئی کھنڈر باقی ہے اور نہ کوئی نام لینے والا ہے ؎

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

سید محمد احسن نے اس کے بعد دو سال تک شان وشوکت کے ساتھ اس علاقہ پر حکمرانی کی، راجہ موہن سنگھ کے ساتھ (جو بارہ ہزار سوار لے کر ان کے مقابلہ پر آیا تھا) ایک معرکہ میں زخمی ہوئے، سید شاہ علم اللہؒ کے نواسہ سید محمد اشرف، سید رحمت اللہ اور بہت سے دوسرے رفقاء وخدمتگار اس معرکہ میں شہید ہوئے، سید محمد احسن کے پاس اس کے بعد معزولی کا پروانہ آگیا، یہ زمانہ شاہ عالم معظم شاہ بن عالم گیر کا تھا، وہ بادشاہ کے لشکر کی طرف روانہ ہوئے، بادشاہ حیدرآباد کے دورہ پر گیا ہوا تھا، انھوں نے برہان پور میں اقامت اختیار کی اور وہاں بخاری شریف کی سند بھی حاصل کی اور طالبانِ حق کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہوگئے، شاہ عالم حیدرآباد سے واپس ہوئے تو ان کے ساتھ تشریف لے گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

ان کے فرزند سید محمد جامع جو حقیقت میں جامعِ اوصاف اور تواضع، حلم اور سخاوت میں ممتاز تھے اپنے والد ہی کی حیات میں دشمنوں کے ہاتھوں شہید ہوئے اور کوئی اولاد نہ چھوڑی۔

سید محمد نور بن سید محمد ہدیؒ

سید شاہ علم اللہ کے دوسرے صاحبزادے سید محمد ہدی کو اللہ تعالیٰ نے دو ایسے بیٹے عطا فرمائے جو صحیح معنی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھے، پہلے کا نام سید محمد نور اور دوسرے کا سید محمد سنا ہے۔

سید محمد نور، سید احمد شہیدؒ کے حقیقی دادا تھے، ان کی ولادت کے وقت ان کے دادا سید شاہ علم اللہؒ حیات تھے، شروع ہی سے سید شاہ علم اللہؒ کے منظورِ نظر رہے، اور یہی نظر ان کا سلوک بن گئی، ان کے والد سید محمد ہدی فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ اس فرزندِ ارجمند کی برکت سے میری بھی مغفرت ہو جائے گی۔

عنفوانِ شباب میں والد کے حکم سے شاہزادہ محمد اعظم شاہ (پسر عالمگیر) کے پاس بغرض ملازمت تشریف لے گئے، شمشیر خاں جو اعظم شاہی امیر اور ان کے جد امجد سید شاہ علم اللہؒ کے مرید تھے، درمیان میں واسطہ تھے، انھوں نے امیر سے پہلے ہی کہہ دیا کہ شاہی ملازمت میں اس شرط پر قبول کر سکتا ہوں کہ تسلیمات و بندگی، تعظیماً سر جُھکانے اور اس قسم کے دوسرے آدابِ شاہانہ سے معاف رکھا جائے، ورنہ میں واپس آجاؤں گا۔ امیر نے اس شرط میں کچھ دشواری محسوس کی، لیکن دیکھ کر کہ وہ اس ارادے سے باز نہ آئیں گے' شاہزادہ سے عرض کیا کہ پیرزادہ صاحب ملازمت قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ایک شرط لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ شرط منظور ہو تو آ سکتا ہوں ورنہ نہیں، شاہزادے نے پوچھا کہ وہ شرط کیا ہے؟ امیر نے کہا صاحبزادہ سنت پر پوری ہمت و استقامت کے ساتھ عامل ہیں اور منہیات سے اجتناب کلی رکھتے ہیں،

تسلیمات، ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرنے، سر جھکانے اور اس طرح کے تمام خلافِ شرع کاموں کے خلاف ہیں، شاہزادہ اعظم شاہ نے بڑی خوش دلی کے ساتھ کہا کہ سلام علیک کرنا سنت ہے اور ایسے لوگ سرکار کے حق میں موجبِ برکت ہیں،......اس کے بعد سید محمد نور وہاں تشریف لے گئے، السلام علیکم کہہ کر شاہزادے سے ملاقات کی، ملازمت قبول کی، خلعتِ خاصہ حاصل کی، اور ۱۴ر سال اس ملازمت میں گزارے، اس کے بعد ایک خواب کی بنا پر جس میں اعظم شاہ کے رفض کی وجہ سے اس کے زوال کی خبر دی گئی تھی ملازمت چھوڑ دی اور وطن مراجعت فرمائی۔

زہد و تقوی اور قناعت و تورع میں اپنے والد اور دادا کے نقشِ قدم پر تھے، شرم و حیا اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ چھپر ڈالنے والے مزدوروں کی طرف جو اکثر زانو کھولے رکھتے ہیں دیکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے، مزدور اور کاریگر بھی یہ بات جانتے تھے، اس لئے جب ان کے آنے کا وقت ہوتا تو فوراً ستر کر لیتے، اہلِ ہوس کی صحبت و مجالست، سیر و تفریح اور لہو و لعب سے کچھ سروکار نہ تھا، اور ایسے لوگوں کے تحفے جو کھانے پینے سے متعلق ہوتے تھے قبول نہ فرماتے تھے، مشتبہ کھانے سے کلی اجتناب اور اکلِ حلال کا سخت اہتمام تھا، اوقات، تلاوت قرآن مجید، اورادِ ماثورہ اور اشغال باطنیہ سے معمور رکھتے تھے۔

شجاعت و سخاوت، ایثار و قناعت، حفظ مراتب حقوق، صلۂ رحمی اور شفقت و محبت میں اسلاف کی یادگار تھے، اعزاء و ہمسایوں کے حقوق کا بڑا خیال رکھتے، سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، غرباء کی تجہیز و تکفین میں بڑی امداد کرتے۔

غیبت، مبالغہ آرائی اور جھوٹ سے سخت نفرت تھی اور اس کی تاب نہ لا سکتے تھے۔

آخری ایام میں اور بالخصوص وفات کے وقت نسبت حضور و یادداشت بڑی

ترقی اور قوت پر تھی، اور رقتِ قلب بہت بڑھ گئی تھی، اکثر فرماتے تھے کہ کوئی عمل اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے قابل تو نہیں ہے لیکن بعض بشارتوں کی بنا پر اللہ کی رحمت کی ضرور امید ہوتی ہے۔

۶/ربیع الاول ۱۱۴۸ھ کو چہار شنبہ کے دن انتقال کیا اور نصیر آباد میں اپنے نانا حضرت شاہ داؤد (برادرِ حقیقی حضرت شاہ علم اللہؒ) کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔(۱)

سید محمد سنا ابن سید محمد ہدیٰؒ

سید محمد سنا حضرت سید شاہ علم اللہؒ کی وفات سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔

صاحب اعلام الہدیٰ لکھتے ہیں کہ جب ان کی ولادت ہوئی تو نصیر آباد سے حجام سید شاہ علم اللہؒ کو خوش خبری دینے کے لئے تکیہ (رائے بریلی) پہنچا، سید شاہ علم اللہؒ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "آئے میاں محمد سنا" کمالِ مسرت میں بچہ کی ٹوپی بنانے کے لئے اپنے دامن کا ایک ٹکڑا اپھاڑ کر اسی وقت نائی کو دیا، دوسرے الفاظ میں گویا اسی وقت خرقہ عنایت فرمایا، مولانا سید نعمان مؤلف "اعلام الہدیٰ" لکھتے ہیں کہ چچا فرماتے تھے کہ مجھے حضرت (سید شاہ علم اللہؒ) کی بعض باتیں باوجود کم عمری کے خوب یاد ہیں، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں اور میری بعض بہنیں حضرت کے پاس بیٹھے تھے، کچھ دیر کے بعد سب اُٹھ کر چلے گئے میں بیٹھا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد اجازت مانگی، حضرت بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ سب بچے بلا اجازت لئے چلے گئے مگر اس بچہ نے اجازت مانگی، بڑا اچھا اور سمجھدار بچہ ہے، پھر میرے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

علومِ ضروریہ سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ اپنے والد کی جاگیر کا انتظام ان کے سپرد رہا اور کچھ مدت شاہی ملازمت اور فن سپہ گری میں گزری، آخر میں اپنے عم

---

(۱) اعلام الہدیٰ وسیرت السادات۔

نامدار سید محمد جیؒ سے بیعت کی اور ان کی رہنمائی میں راہِ سلوک طے کی، اخلاق درویشانہ اور سیرت کریمانہ رکھتے تھے، اوقات، اشغال واذکار اور تلاوت وعبادت سے معمور تھے، ہر روز دو منزل قرآن مجید ضرور تلاوت فرماتے، اوابین کا بہت اہتمام تھا اکثر زوال شفق تک نماز میں مشغول رہتے۔ صاحبِ ''بحر زخار'' نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ اپنے دادا سید شاہ علم اللہؒ کے نقشِ قدم پر تھے۔

۱۰/رجب ۲ے۱۱ھ کو انتقال فرمایا اور اپنے والد کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے، چار فرزند یادگار چھوڑے، سید محمد حیاء، سید محمد عطوف، سید محمد صفت، سید محمد حیا بے نظیر صفات کے حامل تھے اور ان کے لیے علیحدہ تذکرہ درکار ہے، سید محمد عطوف نے جامِ شہادت نوش کیا۔

سید عبد الباقی بن سید ابو حنیفہؒ

سید عبد الباقی، سید ابو حنیفہ کے فرزند اور دیوان سید خواجہ احمد کے نواسہ ہیں، زہد وتقوی، تسلیم ورضا، صبر وعزیمت، اعتماد وتوکل اور استقامت میں بہت ممتاز اور فائق اور عجیب وغریب کیفیات واحوال کے مالک تھے، سید شاہ علم اللہؒ نے اپنے فرزند سید ابو حنیفہ کے انتقال کے بعد اپنی ہر چیز ان کی ملکیت میں دے دی، اپنا عمامہ اور قمیص اور دوسرے مشائخ کے تبرکات بھی ان کو عنایت فرمائے، اپنے سلسلہ میں ان سے بیعت لی اور اس کم سنی کے باوجود ان کو خلافت بھی عطا فرمائی، ان کے انتقال کے بعد عہدِ شباب میں تحصیل علم میں مشغول ہوئے اور خط نسخ و نستعلیق میں خاص کمال پیدا کیا، علم وطریقت اور سلوک ومعرفت میں اپنے ماموں سید ابراہیم بن دیوان سید خواجہ احمد نصیر آبادی سے استفادہ کیا، اس کے بعد کچھ عرصہ شاہ عالم کے لشکر میں رہے، پھر اس کے بعد دنیا اور متاعِ دنیا سے کنارہ کش ہو کر فقر وفاقہ اور ریاضت مجاہدہ کی راہ پسند کی، متواتر اور مسلسل فاقے ہوتے تھے، لیکن نہ ان کے پائے استقامت میں کوئی

لغزش آتی تھی نہ بچوں کے، جو (میر ممتاز کے علاوہ) ابھی بہت نوعمر اور کمسن تھے۔

مولانا سید نعمان اپنا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسلسل کئی روز سے فاقے ہو رہے تھے کہ جمعہ کا دن ہوا، حضرت منبر پر خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے لیکن بھوک اور ضعف کی وجہ سے چہرہ کے رنگ میں کچھ تغیر سا محسوس ہوا، اور جسم میں کچھ لغزش پیدا ہوئی، بڑے صاحبزادہ میر محمد ممتاز نے آگے بڑھ کر سہارا دینا چاہا لیکن انھوں نے اس کو نامنظور کیا اور پورے اطمینان کے ساتھ خطبہ دے کر منبر سے اترے، کبھی کبھی مسرت کے ساتھ فرماتے تھے کہ یہ دولتِ فقر میرے دادھیال اور ننہال دونوں کی میراث ہے۔ ع

کرا باشد میسر دولت و شانے کہ من دارم

کمالِ استغنا اور توکل کے ساتھ گزر بسر کی اور کبھی قرض لینا گوارا نہ کیا، گھر شکستہ ہو کر جگہ جگہ سے زمین بوس ہو گیا تھا، آخر میں صرف چارپائی بھر کی جگہ باقی رہی، لیکن حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے اور اسی میں گزارہ کیا۔

تین فرزند یادگار چھوڑے، سید محمد ممتاز، سید محمد مستعان، سید محمد مستقیم، یہ تینوں اپنے والد کے تربیت یافتہ اور اسلاف کے قدم بہ قدم تھے۔

سید محمد حکم بن سید محمد جیؒ

سید شاہ علم اللہؒ کے چوتھے صاحبزادہ سید محمد جیؒ کے دو بیٹے تھے۔ سید محمد حکم اور سید محمد عدل۔ یہ دونوں فرزند آفتاب و ماہتاب سے کم نہ تھے۔ اگر سید محمد عدل (عرف شاہ لعل صاحب) اپنے عہد میں راہِ سلوک و معرفت کے قافلہ سالار تھے تو ان کے بڑے بھائی سید محمد حکم، علم و فضل میں یکتائے روزگار تھے، ''نزہۃ الخواطر'' کے مصنف نے جن کے موئے قلم نے ہزاروں باکمال شخصیتوں کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے (اور جو بہت احتیاط کے ساتھ تعریف کرنے کے عادی ہیں) ان کا تذکرہ کرتے ہوئے

ان کو علامہ لکھا ہے، لیکن یہ وہ علم نہیں ہے جس کو ''حجابِ اکبر'' کہا گیا ہے، اس فضیلت علمی، تصنیف وتالیف اور تحقیق ومطالعہ کے ساتھ ان کو وہ دولت بھی حاصل تھی جو علم کی جان ہے، اور جس کے بغیر ساری ذہنی کاوشیں اور تحقیقات علمی نہ صرف بے قیمت اور بے حاصل بلکہ وبالِ جان ہیں، سید محمد حکم کو کمالِ علمی کے ساتھ فقر واستغنا اور تعلق مع اللہ سے بھی حصہٴ وافر ملا تھا اور علم نافع اور روحانیت صادقہ کا وہ حسین امتزاج ان کو حاصل تھا جو ہمیشہ کمیاب رہا ہے۔

انھوں نے طویل عرصہ تک اپنے والد کی صحبت اٹھائی اور ان ہی کی تربیت و رہنمائی اور شفقت ومحبت کے سایہ میں اصلاحِ نفس کے ان تمام مراحل سے گزرے جو سالک کو پیش آتے ہیں اور جن سے گزرنا عین اسلام وایمان کا تقاضا اور اس راہ کا طبعی خاصہ ہے۔

مولانا سید نعمان کہتے ہیں کہ ابتدائے حال میں ان کو علوم منقولات کی طرف زیادہ توجہ تھی، اس میں کمال حاصل کرنے کے بعد اصلاحِ حال کی فکر دامن گیر ہوئی، نظر اٹھا کر دیکھا تو یہ دولت گھر میں پائی، چنانچہ اپنے والد کی صحبت وتربیت میں رہ کر سید شاہ علم اللہؒ اور دوسرے مشائخ کی نسبت خاصہ سے بہرہ ور ہوئے اور سلوک کے اعلیٰ ترین مقامات تک پہنچے، اپنے والد سے باقاعدہ اجازت لے کر ہندوستان کے دوسرے مشائخ سے استفادہ باطنی کے لئے مختلف مقامات کا سفر بھی کیا، چنانچہ سرہند میں شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد سعید سرہندی سے استفادہ کیا اور ''شام چوراس'' میں نامور شیخ وقت شیخ عبدالنبی شام چوراسی کی خدمت میں تقریباً ایک سال رہ کر فیوض حاصل کئے اور ان کے سلسلہ کی نسبت باطنی سے بہرہ ور ہوئے، اس کے علاوہ شیخ محمد یحییٰ اتکی، شیخ سعدی بلخاری کی صحبت بھی اٹھائی، رائے بریلی سے پشاور تک اکثر مشائخ وقت اور اپنے سلسلہ کے کبار خلفاء سے بھی استفادہ کیا اور مختلف فیوض واثرات

اور نسبتوں اور برکتوں سے مالا مال ہو کر اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور علومِ دینیہ کی خدمت اور افادہ و تدریس میں عمر گزار دی، ان کی تصنیفات میں قرآن مجید کی دو تفسیریں بہت اہم ہیں، ایک فارسی زبان میں جس کا نام "الحسنٰی" ہے، دوسری عربی میں جس کا نام "محکم التنزیل" ہے، اس کے علاوہ لغت میں "تلخیص الصراح" معانی میں "ملخص البلاغۃ" نحو میں "لآلی النحو" جو انھوں نے خاص طور پر اپنے برادر خورد شاہ لعل صاحب کے لئے تصنیف فرمائی تھی، نیز فقہ، فرائض اور حساب کی متعدد کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔

بایں ہمہ تلاوت قرآن مجید کا اس قدر ذوق اور اہتمام تھا کہ ایک ہفتہ میں ایک قرآن مجید ضرور ختم کر لیتے تھے۔ ریاضت و مجاہدہ میں بہت رفیع احوال رکھتے تھے۔ آرام طلبی اور راحت و آسائش سے مطلقاً سروکار نہ تھا، اور کوئی وقت بے کار اور خالی نہیں گزرتا تھا، عشقِ الٰہی کی سوزش اس قدر زائد تھی کہ عبادات و اشغال میں محویت کے وقت پاس رہنے والے کو ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے سینہ اور دل کباب کی طرح جل بھن رہا ہو۔

ان اوصاف و کمالات کے ساتھ صرف ۴۲/سال کی عمر پائی اور ۲۲/شوال ۱۱۵۰ھ کو نصیر آباد میں راحت ابدی حاصل کی اور ایک لائق و سعادت مند فرزند سید محمد ثانی یادگار چھوڑا۔

سید شاہ محمد عدل بن سید محمد جیؒ

حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے پوتوں میں سب سے ممتاز اور روشن نام سید محمد عدلؒ کا ہے، جو سید محمد جی کے فرزند اصغر سید محمد حکم کے برادرِ خورد اور شاہ لعل صاحب کے نام سے مشہور ہیں، اور اپنے عہد کے نامور مشائخ میں ان کا شمار ہے، اودھ کے اطراف میں متعدد سلسلے اور علمی و دینی حلقے ایسے ہیں جن کا ان سے بیعت و ارادت یا اجازت و

خلافت کا تعلق ہے، ہندوستان کے مشہور مرکزِ علم اور حلقۂ درس ''فرنگی محل'' کے بعض نامور علماء بھی جو ان کے معاصر تھے ایک عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر ان کے فیضِ صحبت و تربیت سے فیضیاب اور خلافت سے شرف یاب ہوئے، اسی طرح کاکوری کا مشہور سلسلہ نقشبندیہ اور بعض اکابر سلسلہ قلندریہ کی نسبت روحانی بھی ان ہی سے ہے۔

راقم سطور کے جد امجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے اپنے استاد حضرت مولانا محمد نعیم فرنگی محلی کے وہ الفاظ اپنے قلم سے سیرتِ علمیہ کے حاشیہ پر لکھے ہیں جو وہ شاہ لعل صاحب کے متعلق فرماتے تھے۔ اس شہادت کی اہمیت کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے جو مولانا محمد نعیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتبار علمی و مرتبۂ روحانی سے واقف ہو، وہ لکھتے ہیں:

> ''استادی مولانا محمد نعیم فرنگی محلی می فرمودند کہ ایں چنیں صاحب ورع وعزیمت وتشرع وتورع وفضل وکمالات و استقامت وکرامات دراں جزءزماں بجز حضرت ایشاں کسے برنخاستہ ہمچو مہر درخشاں برتافت وعالمے رافیضیاب فرمود۔''
>
> (میرے استاد مولانا محمد نعیم فرنگی فرمایا کرتے تھے کہ ان جیسا صاحب ورع وعزیمت وتشرع وتورع، صاحبِ فضل وکمال و کرامت و استقامت اس عہد میں اور کوئی پیدا نہ ہوا، مہرِ درخشاں کی طرح روشن ہوئے اور ایک عالم کو فیضیاب فرمایا)۔

بچپن سے جوانی تک اپنے والد سید محمد جی کی تربیت وصحبت میں رہے اور بہت تھوڑی مدت میں سلوک کے سارے منازل طے کر کے اپنے والد کے ترجمان و شارح اور حقیقی جانشین بنے، اور اولیاء متقدمین کا نام روشن کیا، اوائلِ عمر میں اپنے بڑے بھائی سید محمد حکم سے علومِ ظاہری کی تعلیم حاصل کی، استاد کی شفقت اور بھائی کی

محبت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ سید محمد حکم نے خاص ان کے لئے نحو کی ایک کتاب تصنیف فرمائی۔

درسیات وعلوم سے فراغت کے بعد نسبت ومعرفت اور یقین واحسان کی دولت حاصل کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی اور اپنے والد کی رہنمائی وتربیت میں سخت سے سخت مجاہدات سے گزر کر اس ''آبِ حیات'' تک پہنچے جو ہفت خواں سر کرنے اور نذرِ جاں پیش کرنے کے بعد بھی ملے تو منعم حقیقی کا احسان وانعام اور فضلِ محض ہے ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازوکہ بخدمت بداشتت

غریبوں، بیماروں اور کمزوروں کی خدمت اس طرح لگ کر کی کہ ''ابوالمساکین'' لقب پڑ گیا، مولانا سید نعمان (جو ان کے خلیفہ بھی ہیں) ان کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''مجاہدانہ زندگی، ریاضت ونفس کشی اور زہد وفیاضی کا یہ عالم تھا کہ اگر بھنا ہوا سالن سامنے آتا تو اس میں پانی ڈال کر زیادہ کر دیتے، کھانا ربع معدہ سے زیادہ نہ کھاتے اور کبھی کبھی اس میں بھی ناغہ کر دیتے، اور باقی کھانا فقراء ومساکین کو عنایت فرما دیتے، جاڑوں میں اکثر ایسا کرتے کہ اپنے اوڑھنے، بچھانے کا سامان (مثلاً رضائی لحاف وغیرہ) خانقاہ میں آنے والے مہمانوں کو دے آتے، اور صبح اندھیرے منھ اذان سے پہلے جا کر سب کو بیدار کرتے اور سب سامان لپیٹ اور باندھ کر خاموشی سے اپنے حجرہ میں لے آتے، تاکہ کسی کو پتہ نہ چل سکے، آخر میں روئی کا سامان یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو استعمال نہ فرمایا تھا، عشقِ نبوی اور غایتِ اتباعِ سنت میں چارپائی کا استعمال بھی ترک کر دیا تھا اور زمین پر چٹائی یا پیال بچھا کر آرام فرماتے تھے۔(۱)

---

(۱) اعلام الہدیٰ۔

ذوقِ عبادت اور خشیت وانابت کا وہ حال تھا جس کو سن کر صحابۂ کرام کی ایک جھلک نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے، مولانا سید نعمان مؤلف ''اعلام الہدیٰ'' شہادت دیتے ہیں کہ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ عشاء کو نماز میں کھڑے ہوئے اور کوئی خاص حالت وکیفیت ایسی طاری ہوئی کہ رات بھر اسی ہیئت پر کھڑے ہو کر سحر کر دی، یہ لکھنے کے بعد مولانا سید نعمان کہتے ہیں کہ ان کی زندگی وہ تھی جو اس شعر میں بیان کی گئی ہے ؎

عاشقی راس سہ نشان است اے پسر

رنگ زرد، و آہ سرد، و چشمِ تر

ان کے چہرہ بشرہ سے یہ تینوں کیفیتیں صاف نمایاں تھیں، اور بخدا! اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہے۔(۱) اودھ کے علاقوں نیز بہرائچ، مانکپور، الہ آباد اور نواحِ دہلی کے سفر اکثر کرتے اور وہاں کے علماء ومشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے، اولیاءاللہ کے مزارات ومقابر میں بھی تشریف لے جاتے، لیکن اپنے جانے کی کسی کو اطلاع نہ کرتے تھے، اس کی علامت صرف یہ ہوتی تھی کہ جب جماعت میں حاضر نہ ہوتے تو لوگ کہتے کہ ''از ما بگریخت'' (ہم سے بھاگ گئے) اسی طرح برہان پور اور بھوپال کا سفر کیا، اور جب وہاں لوگوں کو کسی طرح آمد کی اطلاع ہوگئی اور ہجوم ہوا تو وہ جگہ بھی اسی طرح چھوڑ دی۔

ان حضرات کے اس اخفاءِ حال اور کم آمیزی کا ذکر کرتے ہوئے تذکرہ وسوانح کی مشہور ومقبول کتاب ''بحرِ زخار'' کے مصنف (جو شاہ لعل صاحب کے معاصر اور عبداللہ خاں مرید شاہ لعل صاحب ومصنف ریاض الاولیاء کے دوست بھی ہیں) ''بحرِ زخار'' میں لکھتے ہیں:

''مخفی نہ رہے کہ یہ حضرات کرامات وخوارق کے اظہار میں بہت

---

(۱) اعلام الہدیٰ۔

متامل اور مستور الاحوال تھے، ان کے خاندان میں ملفوظات ومجالس کا رواج نہیں، کہتے ہیں کہ یہ باتیں ان بزرگوں اور درویشوں کو سزاوار ہیں جنھوں نے واقعی دنیا چھوڑ دی ہے، دیانت سے دور ہے کہ ہم اپنے کو بزرگ سمجھ کر ملفوظ سازی کریں۔"

آگے لکھتے ہیں:

"ان کے حالات میں مولوی عبدالکریم (۱) سے دریافت کر کے لکھتا ہوں، لیکن ان سب کو جن کا ان اوراق میں تذکرہ ہے محض شریعت کی شمع اور آسمان حقیقت کا آفتاب سمجھنا چاہئے۔" (۲)

حضرت شاہ لعل کے استغنا و بے نیازی، دنیا اور دولتِ دنیا کی بے وقعتی، اتباعِ سنت وعزیمت، قبولیت وتاثیر وقوت تسخیر کا اندازہ ذیل کے اس عجیب واقعہ سے ہوسکتا ہے جو مولانا محمد ادریس نگرامی مؤلف "الأصول الثابتة للفروع النابتة" نے تفصیل سے درج کیا ہے، اور ان ہی کے الفاظ میں نقل کیا جارہا ہے:

"میں نے اپنے والد ماجد صاحب (مولانا شاہ محمد عبد العلی نگرامی (۳) سے سنا کہ جب شجاع الدولہ رائے بریلی آیا تو اس کو کمال شوق آپ کی قدم بوسی کا ہوا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کے بروت (مونچھیں) بڑی ہیں، اور حضرت شاہ لعلؒ کے حضور میں جو جاتا ہے اور خلافِ صورتِ پیغمبر ہوتا ہے اس کو ایسا اپنی زورِ ولایت سے سمجھاتے ہیں کہ وہ خود بخود اپنی صورت موافق

---

(۱) شیخ عبدالکریم جوراسی خلیفہ حضرت شاہ لعل، ان کا ذکر آگے آئیگا۔

(۲) بحرِ زخار (منتخب) ص: ۸، مرتب کردہ: ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبدالعلی حسنیؒ (متوفی: ۱۳۸۱ھ)

(۳) مولانا شاہ عبدالعلی نگرامی قاضی عبدالکریم جوراسی کے خلیفہ تھے، لیکن حضرت گلزار شاہ سے تکمیل سلوک کی، اس کے علاوہ ان کو حضرت شاہ پناہ عطا صاحب سلونی سے بھی اجازت وخلافت ہے، اتباعِ شریعت اور اجتناب عن البدعت میں بہت ممتاز تھے۔

شریعت کے کرلیتا ہے، چنانچہ شجاع الدولہ یہ سنتے ہی ساکت ہوگیا، دو جوان افغان جو بڑے زور آور اور دلاور تھے کہہ پڑے کہ کیا مجال ہے اس فقیر کی جو ہمارے بروت (مونچھیں) کاٹ لے۔ یہ کہہ کر دونوں آپ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بعد تھوڑی دیر کے آپ نے اس نرمی سے ان دونوں کوفہمائش کی کہ وہ دونوں از خود رفتہ ہوگئے، اور عرض کیا کہ جو حضرت فرماتے ہیں بسر وچشم منظور ہے، اسی وقت آپ نے اپنے دستِ مبارک سے دونوں جوانوں کی مونچھیں کاٹ ڈالیں، اور موافقِ شریعت کردیں، وہ دونوں رخصت ہوکر شجاع الدولہ کے پاس گئے تو شجاع الدولہ ان کی شریعت کے مطابق صورت دیکھ کر پوچھنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہوا، تم دونوں تو بڑے غرور سے گئے تھے، تب انھوں نے کہا کہ اے سلطان! جس وقت حضرت شاہ لعل صاحب نے نصیحت کرنا شروع کی یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو شیر اپنے پنجے پھیلائے ہوئے کھڑے ہیں، اگر ذرا سا بھی ہم خلافِ حکم کرتے ہیں تو فوراً جان سے مار ڈالیں گے۔ یہ سن کر شجاع الدولہ نے خوف کھایا اور ملازمت سے محروم رہا۔" (۱)

شاہ لعل صاحب اتباعِ سنت میں اپنے آباء و اجداد کے نقشِ قدم پر تھے اور یہی ان کا سب سے بڑا وصف تھا، اور ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے والوں اور ان سے استفادہ باطنی کرنے والوں کو قدرتی طور پر سب سے پہلا پیغام یہی ملتا تھا کہ

ے

---

(۱) الاصول الثابتہ، ص: ۱۴

بمصطفی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اور

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

کاکوری کا مشہور سلسلہ علیہ قلندریہ جو اپنی وسیع المشربی ورواداری اور جذب وسرمستی کے لئے مشہور ہے، اس کے بعض نامور مشائخ کے حالات زندگی اور سوانح و واقعات میں ہمیں اس جگہ وہ رنگ صاف نظر آتا ہے جہاں خانوادہ علم اللہی کا اس کے ساتھ پیوند ہوا ہے اور دونوں سلسلے کسی ایک شخصیت میں جمع ہو گئے ہیں، گویا ایک نور مستطیل ہے کہ جدھر سے گزرتا ہے اپنی روشنی چھوڑ جاتا ہے۔

حضرت شاہ محمد کاظم علی قلندر (م: ۱۲۲۱ھ) کو جو اس سلسلے کے بہت عظیم المرتبت بزرگ گزرے ہیں، شاہ لعل صاحب اور اس کے بعد شاہ ابوسعید صاحب (نبیرہ سید آیت اللہ بن سید شاہ علم اللہؒ) سے اجازت حاصل تھی، اور شاید یہی وجہ ہے کہ اپنے خاندان اور سلسلہ کے بعض مروجہ رسوم و روایات کے خلاف انھوں نے اپنے فرزند ارجمند شاہ تراب علی قلندرؒ کی تعلیم و تربیت میں ان خلافِ شرع، خلاف سنت اعمال کی سختی سے مخالفت کی جن کو اس عہد میں اور بعض سلسلوں اور خانوادوں میں معیوب و قبیح نہیں سمجھا جاتا تھا۔

''بہارستانِ تراب'' کے مصنف نے شاہ تراب علی قلندرؒ کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے جو ابتدائی حالات قلمبند کئے ہیں اس میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''والد ماجد (یعنی شاہ کاظم علی قلندرؒ) دنیائے دنی کی حقارت، نور بصر کے دل میں راسخ کرتے، مرغن غذا، نفیس پوشاک، اور

اخلاقِ ذمیمہ سے منع فرماتے تھے، مستورات نے منت کے لئے سر پر گیسو رکھوائے تو ان کو منڈوانے کا حکم دیا، سرخ رنگ کی نعلین با ناتی پہن کر حاضر ہوئے تو اس رنگ کو خلافِ شرع اور مکروہ بتایا۔"

آگے لکھتے ہیں:

"مسائلِ فقہ پر عبور کے بعد کتب تصوف کا درس دیا، آدابِ مجلس سکھائے اور حکم دیا کہ بجائے بندگی و آداب کے ہر شخص سے السلام علیکم کہا کرو۔" (۱)

"صاحبزادے سے اپنے مریدین کی خدمت کراتے تھے، "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" کبھی کبھی دالان میں جاروب کشی پر مجبور کرتے اور ہر نوع سے بندگی و انکسار کا خوگر بناتے تھے"۔ (۲)

فرنگی محل کے ایک ممتاز عالم مولانا ازہار الحق بھی جو مولانا انوار الحقؒ کے حقیقی بھائی، مولانا بحر العلوم کے داماد اور مولانا محمد مبین کے چچا تھے، سید شاہ لعل صاحب سے بیعت و خلافت کا تعلق رکھتے تھے۔

مولانا بحر العلوم بھی "بوہار" (۳) جاتے ہوئے ایک مرتبہ سید شاہ لعل صاحب کی خانقاہ سے گزرے تھے اور مولانا ازہار الحق کو اپنے ساتھ بوہار لے گئے تھے۔

مولانا ازہار الحق مدتوں سید شاہ لعل صاحب کی صحبت و تربیت میں رہے اور مراتبِ عالیہ تک پہنچے۔

مولانا ولی اللہ فرنگی محلیؒ نے اپنی کتاب "الأغصان الأربعة" میں مولانا

(۱) بہارستانِ تراب؛ ص: ۱۷؛ از: مولوی امیر احمد صاحب علوی کاکوروی۔

(۲) ایضاً ص: ۱۹

(۳) یہ مقام بردوان کے قریب ہے، اب بھی نیشنل لائبریری، کلکتہ میں بوہار سکشن معروف ہے۔

ازہار الحق کے حالاتِ زندگی لکھتے ہوئے سید شاہ لعل صاحب کی خدمت میں ان کی حاضری کا ذکر کیا ہے۔ان کے الفاظ یہ ہیں:

''شاہ لال مرحوم کہ دراں زماں زندہ بود' او را غنیمت شمردہ بخانہ خود جائے داد و بخدمت افادۂ علم برائے تدریس رونہادند در مسجد شاہ مذکور درس طلبہ علم می داد و استفادات باطنی از خدمت شاہ مذکور می گرفت تا آنکہ در عقد بیعت او درآمد و ذکر وفکر بر طریقہ نقشبندیہ از اُو آموخت و مراقبہ وحبس دم در اشغال شعار و دثار خود نمود مدتہا آنجا بود و در مابین یک بار بوطن بازگشت و چندے ماندہ و باز راہی آں طرف شد و برادرزادگانِ خود مسمی نور الحق و علاء الدین برائے تحصیلِ علم نیز ہمراہِ خود برد۔''

(شاہ لعل صاحب مرحوم نے جو اس زمانہ میں حیات تھے ان کو غنیمت اور جوہر کامل سمجھا اور اپنے گھر میں ان کو جگہ دی اور ان کی خدمت میں طلبہ تحصیلِ علوم کے لیے حاضر ہونے لگے، اور شاہ مذکور کی مسجد میں انھوں نے درس دینا شروع کیا، اسی کے ساتھ شاہ صاحب سے استفادۂ باطنی بھی کرتے رہے یہاں تک کہ ان سے بیعت کرلی اور طریقۂ نقشبندیہ کے مطابق ان سے ذکر وفکر سیکھا اور مراقبہ وحبسِ دم اور اس طرح کے اشغال میں پوری توجہ سے منہمک اور مشغول ہوگئے ، مدتوں وہاں قیام کیا اور اس درمیان میں صرف ایک بار وطن مراجعت کی اور تھوڑا عرصہ رہ کر پھر وہ شاہ صاحب کے پاس واپس گئے اور اس بار اپنے بھتیجوں نور الحق وعلاء الدین کو بھی تحصیلِ علم کے لئے اپنے ساتھ لیتے گئے۔)

لیکن سید شاہ لعل صاحب کی زندگی میں وہ سب سے اہم بات جس نے راقمِ سطور کے دل میں ان کی عظمت کا نقش قائم کردیا، اور جس کو جانِ سخن کہا جاسکتا ہے یہ ہے کہ سید عبدالکریم جوراسی (۱) جو خود بڑے کامل اور فردِ زمانہ تھے، سید شاہ لعل صاحب کا شہرہ و آوازہ سن کر ان کے یہاں حاضر ہوئے اور امتحاناً اپنے گھر والوں، اہلیہ وغیرہ کو ان کے گھر بھیج دیا اور خود دیکھنے کے لئے کہ خلافِ سنت و شریعت تو کوئی عمل سرزد نہیں ہوتا باہر رہے اور دونوں ایک طویل عرصہ تک اس کا جائزہ لینے کے بعد آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے ظاہر و باطن اور خلوت و جلوت میں کوئی فرق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا کہنا جتنا آسان ہے اس پر عمل کرنا اتنا ہی دشوار ہے، بڑے سے بڑے انسان کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں کہ اس کو عزیمت کا دامن چھوڑ کر رخصت کا دامن پکڑنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ''جو کچھ بیرون در ہو، وہی اندرونِ خانہ'' بھی نظر آئے۔

مولانا محمد ادریس نگرامیؒ نے ''الاصول الثابتہ'' میں سید شاہ عبدالکریم کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ واقعہ بھی لکھا ہے جو ان ہی کے الفاظ میں یہاں نقل کیا جارہا ہے:

> ''آپ (یعنی شاہ عبدالکریم) کو اس قدر تورع تھا کہ آپ مدت تک کسی کے مرید نہیں ہوئے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ مرید ایسے شخص کا ہونا چاہئے جو اندر باہر اور ظاہر و باطن میں پابند شریعت ہو، جب آوازۂ ولایت حضرت شاہ لعل صاحب کا آپ نے سنا تو واسطے تحقیق حال مع اپنی زوجہ کے عازم رائے بریلی ہوئے اور ایک سال تک اندر آپ کی زوجہ اور باہر آپ جویاں اس امر کے رہے کہ کسی طرح سے کوئی امر اندر یا باہر خلافِ

(۱) جوراس نگرام کے قریب ایک موضع ہے۔

شریعت تو نہیں ہوتا، جب آپ نے ایک سال قیام فرما کر اپنے
مقصدِ قلبی کو پورا پایا تب آپ نے خواستگاری بیعت کی، چنانچہ
حضرت شاہ لعل صاحب بہت خوش ہوئے اور بیعت کر کے
خلافت سے مشرف فرمایا۔"

سید شاہ لعل صاحب کے خلفاء و مجازین میں مولانا ازہار الحق فرنگی محلی، مولانا محمد کاظم قلندرؒ کاکوروی، مولانا ذوالفقار علی دیوی تلمیذ حضرت بحر العلوم و مولانا عبدالکریم جوراسی، مرشد قاضی مولانا عبدالکریم نگرامی، مولانا محمد یحییٰ جائسی اور "اعلام الہدیٰ" کے مصنف مولانا سید محمد نعمان اور عبداللہ خاں مصنف "ریاض الاولیاء" قابلِ ذکر ہیں۔

۸۵ر سال کی عمر میں ۱۱ر رمضان المبارک ۱۱۹۲ھ کو وفات پا کر حیاتِ جاوید حاصل کی اور روضۂ سید شاہ علم اللہؒ میں مدفون ہوئے۔

☆☆☆

۸۵ر سال کی عمر میں ۱۱ر رمضان المبارک ۱۱۹۲ھ کو وفات پا کر حیاتِ جاوید حاصل کی اور روضۂ سید شاہ علم اللہؒ میں مدفون ہوئے۔